سیّد العرب

تالیف

عمر ابُو النّصر

ترجمہ

شیخ محمّد احمد پانی پتی

ناشر

مقبول اکیڈمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

طبع اول ——— اکتوبر ۱۹۶۱ء
مطبوعہ ——— لاہور آرٹ پریس
طابع ——— ملک مقبول احمد
قیمت ——— تین روپے

مقبول اکیڈمی ——— لاہور

ترتیب

حرفِ اوّل

(از مترجم)

سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے متعلق لاکھوں کتابیں دنیا کی ہر زبان میں لکھی جا چکی ہیں اور جب تک یہ دنیا قائم ہے یہ سلسلہ برابر چلتا چلا جائے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ بابرکات ہی ایسی ہے کہ حضور کے متعلق سینکڑوں کتابیں پڑھنے کے بعد بھی دل سیر نہیں ہوتا اور یہی جی چاہتا ہے کہ کاش اس موضوع پر کچھ اور پڑھنے کو مل جائے اور ہم اپنی تشنگی دور کر سکیں۔

لبنان کے مشہور مورخ عمر ابو النصر نے جس کے نام سے اردو دان طبقہ اچھی طرح واقف ہے، دیگر کتب کے علاوہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے متعلق اپنے مخصوص دلکش انداز میں ایک مختصر کتاب تحریر کی ہے جس کا ترجمہ قارئین کے پیش خدمت ہے۔ اصل کتاب میں صرف سیرت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے حضور کے سوانح حیات بیان نہیں کئے گئے۔ حالانکہ سیرتِ نبوی کے نقوش اس وقت تک پوری طرح اجاگر نہیں ہو سکتے جب تک صاحبِ سیرت کے سوانحی حالات بھی ہمارے سامنے

نہ ہوں خاکسار نے اسی کمی کو محسوس کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوانح بھی بطور خود مرتب کر کے کتاب کے آخر میں شامل کر دیئے ہیں۔ سوانح حیات بیان کرنے میں اگرچہ ہر ممکنہ اختصار سے کام لیا گیا ہے تاہم کوشش کی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی کے تمام اہم واقعات قارئین کی نظروں کے سامنے آجائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے اور آپ کی سیرت کا کوئی پہلو بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہے۔ دنیا کے کسی بھی انسان کے حالات اتنی تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ موجود نہیں ہیں جتنے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے یہ سامان اس لئے فراہم کیا تاکہ ایک کامل نبی کا کامل اسوہ دنیا کی نظروں کے سامنے ہو اور مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں آپ سے پوری رہنمائی حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اپنے حبیب پاکؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے تا ہم خدا تعالےٰ کے بیش قرار انعامات سے بہرہ ور ہو سکیں اور اپنے آپ کو اس کے فضل و کرم کا حقدار بنا سکیں آمین یارب العالمین۔

محمد احمد پانی پتی

مقدمہ

یہ کتاب ایک اہم موضوع پر لکھی گئی ہے۔ اس میں میں نے سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوانحِ حیات قلم بند نہیں کئے بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق جو تاثرات میرے ذہن میں مترسم ہوتے تھے انہیں صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لئے ہر قدم پر نمونہ ثابت ہو سکتی ہے۔ آپ نے آکر دنیا کو بتایا کہ قربانی اور صبر و استقلال کس چیز کا نام ہے۔ آپ نے اپنے نمونہ سے ثابت کیا کہ حقیقی زندگی انہیں لوگوں کو ملتی ہے جو محنت و مشقت کے عادی ہوتے ہیں اور زندگی کا ایک لمحہ بھی بیکار نہیں کھوتے اور فتح و ظفر حاصل کرنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ انسان اپنے رب پر کامل بھروسہ کرے اور اپنی قوتوں پر اعتماد کرتا ہوا قدم آگے بڑھاتا چلا جائے

میں نے اس کتاب میں مختصر طور پر ان مظالم اور مصائب و آلام کا تذکرہ کیا ہے جو راہ حق و صداقت میں رسول اللہ علیہ وسلم کو برداشت کرنے پڑے میں نے آپ کے بچپن کے حالات پر بھی کسی حد تک روشنی ڈالی ہے اور اختصاراً یہ بتایا ہے کہ یتیمی اور بے کسی و بے بسی کی زندگی کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر صبر اور استقلال سے برداشت کیا میری غرض ان واقعات و حالات بیان کرنے سے یہ ہے کہ ہمارے نوجوان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہی صفات اور اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اس طرح اپنے آپ کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل بالعموم بڑی بڑی شخصیتوں کی پرستش کی جاتی تھی اور لوگ اپنے جیسے ہی عاجز انسان کو خدا بنا کر اس کے آگے سجدہ کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر دنیا کو توحید حقیقی کا درس دیا اور لوگوں کو شدت کے ساتھ خدائے وحدہ لاشریک کی پرستش کرنے کی تلقین کی اگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی شدت کے ساتھ توحید کا سبق لوگوں کو نہ دیتے تو کوئی تعجب نہ تھا کہ لوگوں کی بہت بھاری تعداد خود آپ کی پرستش کرنے لگتی کیونکہ آپ نے بہت ہی قلیل مدت میں جو عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے وہ لوگوں کی نظروں میں حیران کن تھے اور آپ کے علاوہ اور کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ ان کا عشر عشیر بھی سرانجام دے سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جن باتوں کی تلقین اور جن عقائد کی تبلیغ کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان پر خود بھی پورا پورا ایمان رکھتے تھے یہ امر لازمی ہے کہ کوئی شخص اسی وقت اپنی تبلیغ میں کامیاب ہو سکتا ہے جب وہ خود بھی ان باتوں پر پورا یقین رکھتا ہو جن کی تعلیم و تلقین وہ دوسرے لوگوں کو کرتا ہے آپ نے دینی اور سیاسی وحدت پر بے حد زور دیا اور حضور کو یقین تھا کہ مسلمان آپ کے بعد آپ کے قائم کردہ مشن کو زندہ رکھیں گے آپ کی سنت پر پوری طرح عمل پیرا رہیں گے آپ کی تعلیمات اور نصائح سے پورا اثر قبول کریں گے اور ایسے امور سے کنارہ کشی اختیار کریں گے جو اخلاق کے اعلیٰ اصولوں کے منافی ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وفات سے پیشتر آخری مرتبہ مسلمانوں سے خطاب فرمایا اس میں آپ نے انہیں جاہلی عصبیت کو فراموش کرنے، اعمال صالحہ بجا لانے اور بنی نوع انسان سے رحمت و شفقت اور محبت و رافت سے پیش آنے کی تلقین کی مجھے امید ہے کہ میری یہ کتاب بھی ان اعلیٰ و ارفع مقاصد کے حصول میں ممد و معاون ثابت ہو گی اور ہمارے نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پوری طرح اپنا کر اپنے لئے ہر قسم کی فلاح کے دروازے کھول لیں گے۔

اس کتاب کا انتساب بھی میں سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر کرتا ہوں۔

عمر ابو النصر
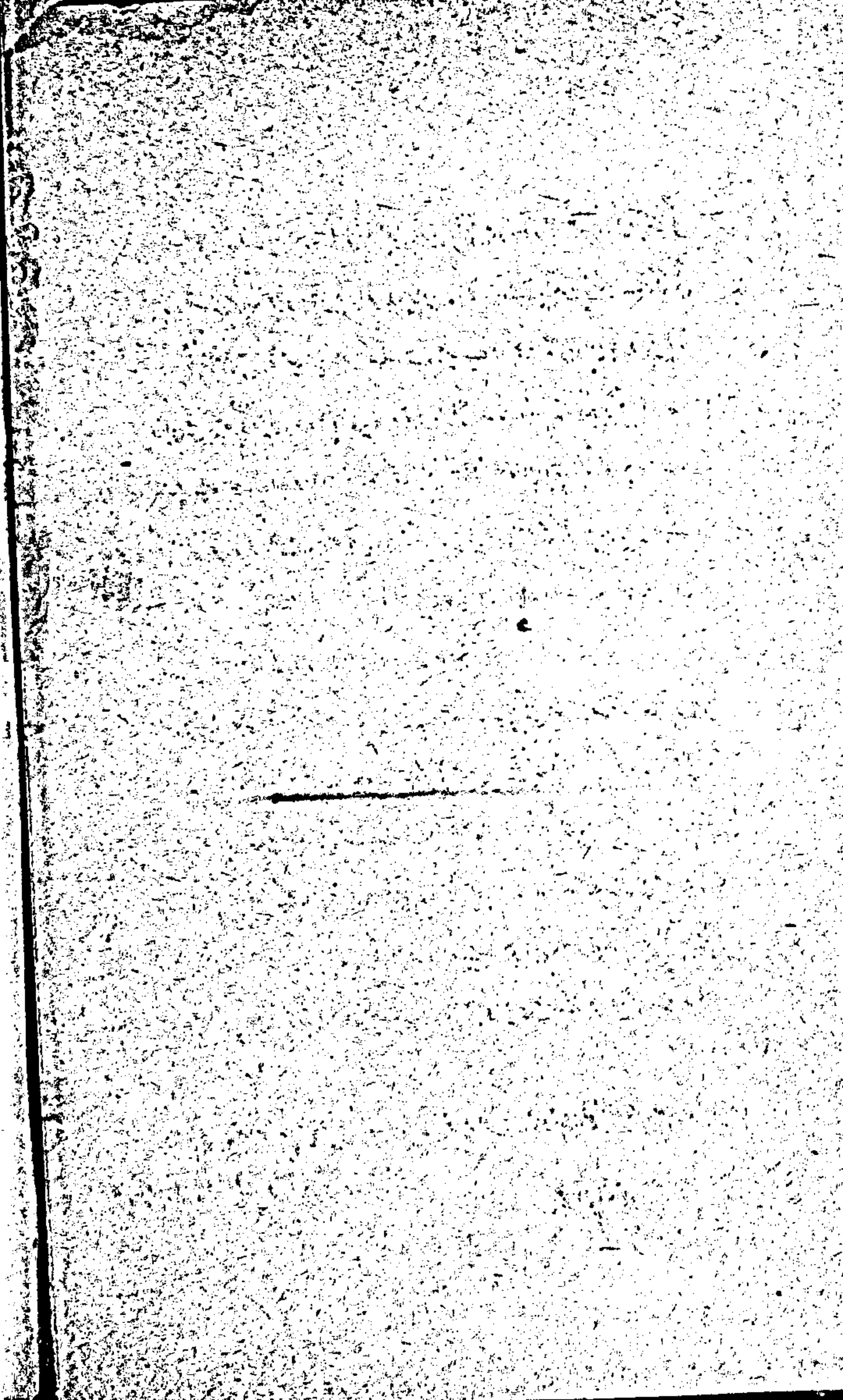
عہدِ طفولیّت و شباب

ایک یتیم بچّے کی پیدائش

آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو پیر کے روز صبح سویرے مکہ کے ایک گھرانے میں ایک یتیم اور غریب و بے کس بچے نے پہلی بار آنکھیں کھولیں۔ اس کے رشتہ داروں اور گھر والوں میں سے کسی کو سان گمان بھی نہ تھا کہ آگے چل کر اس یتیم بچے کے مقدر میں دنیا کا سب سے بڑا انسان بننا لکھا ہے

مکہ کا شہر بہت بڑا تجارتی مرکز تھا اور یمن، شام، حبشہ کے مابین سفر کرنے والے تجارتی قافلوں کی گزرگاہ پر واقع تھا۔ یہاں کے باشندے بھی تجارت میں خوب دسترس رکھتے تھے۔ یمن اور حبشہ سے وہاں کی مصنوعات اور پیداوار خرید کر لاتے اور انہیں لے کر شام اور مصر کے بازاروں میں بیچ دیتے۔

اسی تجارتی شہر کو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد ہونے کا شرف

حاصل ہے آپ کے والد عبداللہ آپ کی ولادت سے دو ماہ قبل اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے تھے اہل مکہ کی یہ عادت تھی کہ وہ بچوں کو دودھ پلانے کے لئے بادیہ نشین عورتوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے چنانچہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے چند مہینے تو اپنے پاس گھر پر رکھ کر پرورش کیا۔ پھر ایک بادیہ نشین عورت حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا۔ تین سال تک آپ صحرا میں پرورش پاتے رہے۔ اس کے بعد حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ کے پاس مکہ میں چھوڑ گئیں۔ لیکن آپ کو زیادہ عرصہ تک والدہ کے پاس رہنا نصیب نہ ہوا۔ ابھی آپ نے عمر کی چھ ہی بہاریں طے کی تھیں کہ حضرت آمنہ کا انتقال ہو گیا۔ والدہ کے بعد پرورش کی ذمہ داری آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے قبول کی جن کا شمار مکہ کے بڑے بڑے سرداروں میں ہوتا تھا۔ اور شہر کا ہر فرد بشر ان کی عزت کرتا تھا۔ دادا کو اپنے یتیم پوتے سے بے حد محبت تھی۔ پوتے کو بھی اس محبت پر ناز تھا۔ عبدالمطلب کے لئے خانہ کعبہ کے صحن میں فرش بچھایا جاتا تھا اور ان کے بیٹے ان کے اردگرد بیٹھتے تھے۔ لیکن رعب اور دبدبہ کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ فرش پر بیٹھنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ لیکن جب معصوم پوتا آتا تو وہ کسی کی پروا کئے بغیر دادا کے برابر میں جا کر بیٹھ جاتا۔ چچا اسے روکنے کی کوشش کرتے لیکن عبدالمطلب کہتے:۔

"میرے بیٹے کو میرے پاس آنے دو اس کے مرتبہ کو میں ہی پہچانتا ہوں۔"

عبدالمطلب کی وفات

آپ کی والدہ حضرت آمنہ کی وفات کے دو برس بعد عبدالمطلب بیمار ہو گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹوں بیٹیوں کو بلا کر مختلف وصیتیں کرنی شروع کر دیں۔ عبدالمطلب کا خیال درست تھا انہیں شفا نہ ہوئی اور وہ اسی بیماری میں اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

ننھے بچے کے لئے یہ تازہ صدمہ بہت ہی شدید تھا۔ اسے اپنے والد کو تو دیکھنا نصیب ہی نہ ہوا ابھی وہ پورے طور پر سن شعور کو نہ پہنچا تھا کہ اس کی والدہ اسے داغ مفارقت دے گئیں۔ اب اس کے لئے جو کچھ تھے اس کے دادا تھے دادا نے اسے ایسی محبت اور الفت سے پرورش کیا کہ اسے کبھی اپنی یتیمی کا احساس بھی نہ ہوا۔ اب شفیق دادا بھی اسے چھوڑ کر اگلے جہاں روانہ ہو گئے۔ بے کس بے بس یتیم بچے کے رنج والم اور قلق و اضطراب کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ جب دادا کا جنازہ اٹھا تو وہ روتا ہوا اس کے پیچھے جا رہا تھا۔

ابوطالب کی کفالت

عبدالمطلب کی وفات کے بعد یتیم بچے کی پرورش کا بار اسکے چچا ابوطالب نے اٹھایا۔ وہ غریب آدمی تھے اور ان کے ذرائع آمدنی بہت محدود تھے۔ چونکہ وہ

عیال دار تھے اس لئے بہت تنگی سے گزارہ کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اہلِ دستش ایک کھاتے پیتے گھرانے میں بچہ کو میسر آ سکتی ہے، عبداللہ کا یتیم فرزند اس سے محروم تھا۔

عسرت اور تنگی کے ان ایام میں بچہ کو ایک اور جاں نثار شخصیت نے اپنے سایۂ محبت اور عاطفت میں لے لیا۔ ہماری مراد اس کے والد عبداللہ کی حبشی لونڈی ام ایمن سے ہے۔ لونڈی ہونے کے باوجود وہ اپنے آقا کے بچہ سے اس طرح بے پناہ محبت کرتی تھی جیسے وہ اسی کا بچہ ہو۔ بیماری ہو یا صحت وہ ہر حال میں اس کی خدمت میں لگی رہتی تھی۔ والدین اور دادا کے بعد اس یتیم بچے کے لئے یہ لونڈی ہی سب کچھ تھی۔ اللہ تعالےٰ نے پیدائش کے دن ہی سے اس کے دل میں اس بچہ کے لئے محبت ڈال دی تھی اور وہ اس کا اپنے سے جدا ہونا کسی طرح گوارا نہ کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب کچھ عرصہ کے لئے حلیمہ سعدیہ شیر خوار بچے کو اپنے ساتھ لے کر اپنے قبیلے میں چلی گئی تو ام ایمن حد درجہ مغموم ہو گئی اور تین سال کا عرصہ اس نے حد درجہ بے چینی میں گذارا۔

تین سال بعد جب حلیمہ بچہ کو لے کر واپس آئی تو ام ایمن کے دل کی مرجھائی ہوئی کلی دوبارہ کھل گئی اور اس نے پھر اسی محبت اور عطوفت سے بچے کی پرورش شروع کر دی۔ کچھ عرصہ کے بعد جب والدہ کی وفات ہو گئی تو بچہ کی نگہداشت کا سارا کام ام ایمن نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور وہ کلیتہً اسی کی آغوشِ محبت میں آ گیا۔ اب

بچے کے لئے جو کچھ تھا وہ ام ایمن ہی کی ذات تھی۔ ام ایمن نے بھی اپنے آپ کو اس کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ وہ اس پر جان چھڑکتی تھی اور ماں کی کمی کو بالکل محسوس نہ ہونے دیتی تھی۔ اسے اس بچے کے وجود ہی میں کل کائنات نظر آتی تھی اور اس کی آنکھوں ہی میں اسے تمام دنیا کا نور نظر آتا تھا۔ زمانہ اسی طرح گذرتا گیا۔ نہ ام ایمن بچہ کو آنکھوں سے اوجھل ہونے دیتی تھی اور نہ بچہ اس سے ایک لمحہ کی جدائی گوارا کرتا تھا۔ جوانی کی عمر کو پہنچکر جب اس کی شادی ہو گئی۔ تو اس نے اپنی شفیق دایہ کو جو ابھی تک غلامی کی حالت میں تھی آزاد کر دیا۔ اس نے مدینہ کے ایک شخص سے شادی کر لی لیکن کچھ عرصے کے بعد جب اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو وہ پھر اپنے لخت جگر کے پاس آ گئی اور اس کے پاس رہ کر زندگی گذارنے لگی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے شرف رسالت سے مشرف فرمایا تو وہ فوراً اس پر ایمان لے آئی۔ ام ایمن نے اس یتیم بچہ کے ساتھ جس شفقت و محبت کا سلوک کیا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ جب بھی وہ اس کے پاس آتی اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے:۔

"یہ میرے اہل بیت کا ایک حصہ ہیں"

مندرجہ بالا حالات و واقعات سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالےٰ کی یہ مشیت تھی کہ اس کا رسول یتیمی کی حالت میں پرورش پائے اور غربت اور مسکینی کی حالت میں زندگی گذارے تاکہ جب اسے نبوت کے عہدے پر سرفراز کیا جائے اور تمام عرب کو اس کے زیر نگین کر کے بڑے بڑے سرداروں کے سر اس کے

آگے سرنگوں کر دیئے جائیں تو اپنے یتیمی، غربت اور محنت و شفقت کا حقیقی احساس ہوا اور اسی احساس کے تحت وہ یتیموں اور غریبوں مسکینوں سے رحمت و شفقت اور الفت و محبت کا سلوک کرے، چنانچہ اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اسے اپنی کتاب میں مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ "اے رسول! یتیم کے ساتھ کبھی سختی سے پیش نہ آنا، سائل کو کبھی نہ جھڑکنا اور ہمیشہ اپنے پروردگار کی نعمتوں کو یاد کرتے رہنا"

شام کا سفر

جب بچہ نو برس کا ہوا تو ابو طالب تجارت کی غرض سے شام جانے لگے بھتیجے کے اصرار پر وہ اسے بھی ساتھ لیتے گئے۔ بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ملاقات اس سفر میں بعض عیسائی راہبوں سے ہوئی اور انہی سے پہلی مرتبہ انہوں نے عیسائی عقائد توحید اور صفات الٰہیہ کے اسرار کی واقفیت حاصل کی لیکن یہ محض من گھڑت بات ہے اور اسے حقیقت سے دور کا علاقہ بھی نہیں اس وقت بچہ کی عمر ہی اتنی نہ تھی کہ زندگی کے پر پیچ مسائل اور مذہبی فلسفہ کی دقیق در دقیق باتوں کو سمجھ سکتا۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ بچہ میں غور و فکر اور تدبر کا مادہ بہت تھا اور ہر

چیز کا مشاہدہ وہ بہت عمیق نظر سے کرتا تھا۔ قافلے میں بڑے بڑے جہاں دیدہ شخص شامل تھے جنہیں اس سے قبل بارہا لمبے لمبے سفر کرنے اور ہمسایہ مملکتوں کی تہذیب و تمدن کا مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ جب رات ہوتی اور سارا دن کے تھکا دینے والے سفر کے بعد اہل قافلہ آرام کرنے کے لئے اپنے اونٹوں سے اتر کر ٹھنڈی ریت پر دراز ہوتے تھے تو یہ لوگ اپنے مشاہدات اور تجربات کا حال بڑے پُرلطف طریقے سے بیان کرتے تھے اور قافلے والے انہیں بڑی دلچسپی سے سنتے تھے۔ ان مشاہدات و تجربات کے بیان میں ان ملکوں کی تہذیب و تمدن، معاشرت، مذاہب، رسوم و رواج۔ غرضیکہ ہر چیز کا تذکرہ ہوتا تھا اور یہ باتیں اس ہوشیار ذہین بچے کے علم میں ہر دم اضافہ کرتی رہتی تھیں۔

قافلہ سرزمین شام میں

مکہ کا یہ قافلہ لق و دق اور تپتے ہوئے صحراؤں کو قطع کرتا ہوا شام کی جانب رواں دواں تھا۔ اہل کارواں وقت گذارنے کی خاطر ہر قسم کی دلچسپیوں میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن اس بچہ کو ان دلچسپیوں سے کسی قسم کی غرض نہ تھی۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہر وقت اپنے ہی افکار میں غلطاں و پیچاں رہتا تھا۔

تیس روز کے مسلسل سفر کے بعد آخر قافلہ رومی سرزمین میں پہنچ گیا۔ اب اس کی نظروں کے سامنے تپتی ہوئی ریت اور لق و دق صحراء کے بجائے عالیشان گرجے

بلند و بالا محلات فرحت افزا باغات اور سبزہ زار تھے جنہیں دیکھنے سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور حاصل ہوتا تھا۔ کہیں تا حد نظر نارنگیوں کے باغات چلے گئے تھے کہیں دور دور تک انگوروں کی بیلیں نظر آتی تھیں۔ غرضیکہ ہر طرف شادابی و ہریاول اپنا دامن بچھائے ہوئے تھی۔

اس یتیم بچے نے ایسا دلکش اور روح افزا نظارہ اس سے پہلے کب دیکھا تھا۔ وہ ان قدرتی نظاروں کے دیکھنے میں ایسا محو ہوا کہ اسے کسی بات کی خبر نہ رہی۔ ابو طالب نے بھتیجے کی محویت کو دیکھا لیکن چونکہ وہ اس کی عزلت نشینی اور غور و فکر کی عادت سے واقف تھے اس لئے انہوں نے کچھ تعرض نہ کیا اور خاموش ہو رہے۔ اگرچہ انہیں تعجب بہت ہوتا تھا کہ اس چھوٹی سی عمر میں بچہ کو اس قدر گہرے تدبر کی عادت کیسے پڑ گئی۔ اور وہ کیا امور ہیں جن کے متعلق یہ سوچتا رہتا ہے۔

سفر شام کے بعد

شام کا ایک سفر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو برس کی عمر میں اپنے چچا کے ساتھ کیا تھا۔ جس کا حال ہم اوپر لکھ چکے ہیں اور دوسرا سفر اس کے سولہ برس بعد پچیس برس کی عمر میں کیا جب کہ مکہ کی ایک مالدار عورت خدیجہ بنت خویلد نے آپ کو اپنا تجارتی مال دے کر شام بھیجا۔ اگرچہ شام کا دارالحکومت دمشق تھا۔ لیکن چونکہ

اس زمانہ میں بازنطینی حکومت نے عرب تاجروں کا داخلہ دمشق میں بند کر رکھا تھا۔ اس لئے آپ شام کے ایک دوسرے شہر بصریٰ میں تشریف لے گئے۔ اور مکہ سے جو سامان تجارت لائے تھے وہ معقول منافع پر وہاں فروخت کر دیا۔ جب واپس مکہ آئے تو نہایت ایمانداری کیساتھ خدیجہ کا حساب کتاب چکا دیا۔ خدیجہ آپ کے حسنِ اخلاق اور ایمانداری سے اتنی متاثر ہوئیں کہ اگرچہ وہ مکہ کی سب سے مالدار خاتون تھیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن انہوں نے اس بات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے خود انہیں نکاح کا پیغام بھجوایا اور آپ نے اپنے چچا کے مشورہ سے اسے قبول کیا۔ نکاح کے وقت آپ کی عمر پچیس سال اور خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔

تعجب ہے کہ مورخین نے نو سال کی عمر سے لے کر پچیس سال کی عمر تک کے واقعات کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ سے آپ کی زندگی کے کئی پہلو ہماری نظروں سے اوجھل رہ گئے ہیں چنانچہ ہمیں تاریخ کی کتابوں سے نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیمی کی پر محن اور المناک زندگی کس طرح گذاری اور نہ ہی یہ پتا چلتا ہے کہ آپ کے جوانی کے ایام کیسے بسر کئے۔ اسی طرح یہ بھی علم نہیں ہو سکتا کہ اس زمانہ میں آپ کے دوست اور ہمجولی کون کونسے تھے۔ جن کے ساتھ آپ کے دن کا بیشتر حصہ بسر ہوتا ہے اور آیا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی آپ کے دوستوں میں شامل تھے نیز پچیس سال کی عمر سے پہلے آپ کا شغل بکریاں چرانا تھا یا

آپ نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کے اخلاق اور صدق واستقامت کے متعلق مکہ میں کیا کیا باتیں مشہور تھیں؟

گو ہمیں کتب سیر سے تو ان سوالات کے جوابات نہیں ملتے تاہم ہمارا قیاس ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جوان ہوئے ہوں گے تو آپ نے اپنے غریب چچا کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ضرور اپنے ذمہ کوئی نہ کوئی کام لیا ہوگا۔ کبھی بکریاں چراتے ہوں گے اور کبھی کوئی چھوٹی موٹی تجارت کر لیتے ہوں گے۔ ہمارے قیاس کو اس بات سے تقویت پہنچتی ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو کثیر مال تجارت دے کر شام بھیجا تھا۔ اگر آپ کو امور تجارت کی واقفیت نہ ہوتی تو وہ کبھی یہ اہم کام آپ کے سپرد نہ کرتیں۔ ایسی اہم ذمہ داری سپرد کرنے میں آپ کی امانت و دیانت کو بھی بہت دخل ہے لیکن محض امانت و دیانت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جب تک متعلقہ شخص تجارتی امور میں بھی کما حقہ واقفیت نہ رکھتا ہو۔

غار حراء میں

یہ امر یقینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حراء میں جا کر عبادت کرنے اور اس کائنات کے رموز و اسرار پر غور کرنے کا سلسلہ سینتیس برس کے بعد شروع کیا تھا۔ یہ پہاڑ مکہ سے قریب تھا اور چاندنی راتوں میں جب چاروں طرف سکوت طاری ہوتا تھا اور چاند اس عالم ارضی پر اپنا نور بکھیر رہا ہوتا تھا ایک شخص

۲۳۰۵۱

ساری دنیا سے الگ تھلگ گہرے غور و فکر میں مگن نظر آتا تھا۔

میری خواہش تھی کہ میں ناظرین کے سامنے ان ایام کی تصویر کھینچ سکتا جب سیدالمرسلین غار حراء میں جاکر اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالایا کرتے تھے لیکن کسی مورخ نے بھی اس زمانہ کے حالات کے متعلق کچھ نہیں لکھا اور نہ ہی لکھنے کی ضرورت محسوس کی جسے پیش نظر رکھ کر ہم اس حقیقت کی تصویر کھینچ سکتے۔

اسی لئے غار حراء ایک سربستہ راز ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت ایک چیستان تاہم اگر ہم اس پہاڑ کے ماحول کو ذہن میں رکھ کر اس زمانے کی تصویر اپنی آنکھوں کے سامنے لانا چاہیں تو ہمیں یہ دکھائی دے گا کہ ایک شخص سر جھکائے دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے خیالات میں مستغرق مکہ سے جبل حراء کی طرف جا رہا ہے۔ سورج غروب ہونے کے قریب ہے اور فضا میں ہر طرف سکوت طاری ہے پہاڑ تک پہنچتے پہنچتے سورج غروب ہو جاتا ہے وہ شخص ایک دشوار گذار راستے سے چڑھ کر ایک غار تک پہنچتا ہے اور وہاں بیٹھ کر یاد الٰہی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ ہر طرف چاندنی چھٹکی ہوئی ہوتی ہے اور چاند زمین پر اپنی کرنیں بکھیر رہا ہوتا ہے۔ اس دلکش نظارہ کو دیکھ کر اس کا دل پہلے سے بھی زیادہ اپنے پروردگار حقیقی کی طرف کھنچتا ہے اور وہ تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہو کر اس کے حضور نذر عقیدت پیش کرنے لگتا ہے۔ رات کا بیشتر حصہ وہ اسی طرح یاد الٰہی میں بسر کرتا ہے۔ جب صبح ہوتی ہے اور سورج کی کرنیں پہاڑ پر پڑنی شروع

ہوتی ہیں تو وہ اٹھتا ہے اور پہاڑ سے اتر کر مکہ کی جانب روانہ
ہو جاتا ہے

ایّامِ مصیبت

مکہ کی پُرمحن زندگی

نبوت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی دو مختلف ادوار میں سے گذری ہے نبوی زندگی کا پہلا دور جو تیرہ سال تک ممتد رہا مکہ میں گذرا اور دوسرا دور جو وفات تک ممتد تھا مدینہ میں گذرا۔ پہلا دور دعوتِ اسلام کا دور تھا اور دوسرا دور تنظیم تکمیل شریعت اور جنگو کا دور تھا۔

مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دینِ حق پھیلانے کی پاداش میں سخت اذیتوں اور مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ کی قوم نے آپ کی مخالفت کرنے اور آپ پر ظلم وستم توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ عوام و خواص آپ سے دشمنی کرنے پہ پوری طرح تل گئے۔ آپ کے مقدر میں ابتداء ہی سے مصائب و آلام برداشت

کرتا لکھا تھا۔ بچپن میں یتیمی کے مصائب برداشت کئے اور بڑے ہو کر اپنی قوم کے ہاتھوں سخت اذیتیں سہیں۔

اگرچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے ہاتھوں ہر قسم کے مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے ان کے فرسودہ اور ناکارہ نظام اجتماعی پر پُرزور حملے کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ یہ وہ ظالمانہ اور جابرانہ نظام تھا جس نے مساوات کی روح کو کچل کر انسانوں میں باہم تفریق پیدا کر دی تھی اور انہیں آزاد اور غلام اور غرباء و امراء کے زمروں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اپنے آپ کو معزز سمجھنے والے لوگوں میں حسب و نسب کا غرور انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ اور وہ اپنے آگے کسی کی کچھ حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ لیکن تعجب ہے کہ اپنے آپ کو سب دنیا سے برتر سمجھنے والے مٹی اور پتھر کے بنے ہوئے بتوں کے آگے سجدہ ریز ہونے کو کوئی معیب نہ سمجھتے تھے اور بے جان پتھروں کے آگے سر جھکانے میں انھیں کوئی ذلت محسوس نہ ہوتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صورتِ حال کے خلاف سخت جہاد کیا آپ نے انھیں خدائے واحد پر ایمان لانے کی تلقین کی۔ انھیں متنبہ کیا کہ طبقاتی امتیازات نسل انسانی کے لئے سخت تباہ کن ہیں۔ انھیں ختم کر دو اور امیر و غریب اور غلام و آقا کا امتیاز مٹا دو۔ ایک دوسرے سے احسان اور عدل کا معاملہ کرو۔ اسی میں تمام انسانیت کی فلاح و بہبود مضمر ہے۔ لیکن بہت تھوڑے لوگوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ قبول حق کی پاداش میں ان غریب و بے کس لوگوں پر بھی مصائب و آلام

کے پہاڑ ٹوٹ پڑے انھیں زدوکوب کیا گیا۔ان کا بائیکاٹ کیا گیا۔ اور روزی کمانے کی راہیں ان پر مسدود کر دی گئیں حتیٰ کہ بعض لوگ ان مظالم اور سختیوں کی تاب نہ لا کر حبشہ کی جانب ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔دشمنانِ اسلام نے اس پر ہی بس نہ کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے منصوبے باندھنے لگے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ چھوڑ دینے کا حکم دیا اور آپ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریش

قریش نے ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اتنی زیادہ سختی نہ برتی۔نہ تو بہت زیادہ تعرض کیا اور نہ آپ کو یہ آزادی دی کہ اپنے عقائد کی برملا تبلیغ کر سکیں۔وہ آپ کے لائے ہوئے دین کو برا کہتے تھے۔لوگوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کرتے اور دین اسلام سے نفرت دلاتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول کر چکے تھے انھیں اس سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے تھے تاہم معاملہ نے کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کی تھی۔لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مستعدی سے اپنا کام جاری رکھا ہوا تھا اور اس سرگرمی سے دین خدا کی تبلیغ میں مصروف تھے کہ کفار کو بہت جلد احساس ہو گیا کہ ان کا سامنا ایک ایسے شخص سے ہے جو عام آدمیوں کی طرح نہیں اور اگر جلد اس کا ازالہ نہ کیا تو یہ بہت جلد مکہ کی ایک کثیر تعداد کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔اور اس طرح صدیوں سے قائم شدہ معاشرتی نظام بالکل زیر و بالا

ہو جائے گا۔ چنانچہ اس احساس کے پیش نظر اہل مکہ نے پوری قوت سے آپ کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کرلیا۔ سب سے پہلے تو انہوں نے لوگوں پر یہ اثر ڈالنا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نعوذ باللہ) شاعر، ساحر اور مجنوں ہیں اور ان کی دعوت محض دھوکا اور فریب ہے ان کے ساتھ مکہ کے چند بے حقیقت لوگ ہیں جو محض ان کی جل لبھانے والی باتوں سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کرنا شروع کیا کہ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہمیں اس کے ثبوت میں کچھ معجزے دکھائیں۔ مثلاً یہ کہ مکہ کے خشک پہاڑوں کو باغات میں تبدیل کر دیں جن میں نہریں چلتی ہوں یا آسمان پر چڑھ جائیں یا اپنی مدد کے لئے اللہ اور ملائکہ کو ہمارے مقابلے میں لے آئیں لیکن ان تمام باتوں اور مخالفتوں کے باوجود جب انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدستور جادۂ استقامت پر گامزن ہیں اور راہ حق میں ان کا قدم ذرا بھی متزلزل نہیں ہوا۔ تو انہوں نے آپ کو مختلف قسم کے لالچ دینے شروع کئے اور آپ کو اپنا بادشاہ تک بنانے پر آمادگی ظاہر کی بشرطیکہ آپ توحید کی تبلیغ سے باز آجائیں اور بتوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس پیش کش کو بھی حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور بدستور اپنے کام میں مصروف رہے۔

چچا بھتیجے کی گفتگو

جب قریش نے دیکھا کہ ان کی کوششوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید کی تبلیغ کسی طرح ترک نہیں کی تو وہ آپ کے چچا ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ "آپ کے بھتیجے نے مکہ میں ایک فساد برپا کر دیا ہے اس کے ہاتھوں نہ ہمارے آباد اجداد کی عزت محفوظ رہی ہے نہ ہمارے معبودوں کی۔ یا تو آپ اپنے بھتیجے کو منع کر لیجئے کہ وہ ہمارے دین اور ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے سے باز آجائے ورنہ پھر ہم نے بھی تہیہ کر لیا ہے کہ پوری قوت سے اس کا مقابلہ کریں گے اور اس وقت تک بس نہ کریں گے۔ جب تک دونوں فریقوں میں سے ایک ہلاک نہ ہو جائے۔"

قریش کے چلے جانے کے بعد ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلایا اور قریش کی باتیں آپ کو سناتے ہوئے کہا:۔

"اے میرے بھتیجے! تیری قوم میرے پاس آئی تھی اور اس نے مجھ سے یہ یہ باتیں کیں تو اپنی جان پر رحم کر اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈال جسے اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں۔"

ابوطالب کی اس لجاجت آمیز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بیچارگی کا احساس بہت زیادہ سرایت کر گیا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے آپ میں قریش کی دھمکی کا مقابلہ

کرنے کی ہمت نہ پاتے تھے اور ڈرتے تھے کہ اگر ان کے بھتیجے کی تبلیغ کے باعث ان کی قوم اُن کے اور بنو ہاشم کے درپے آزار ہو گئی تو انہیں سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی لئے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے درخواست کی کہ وہ اس کام سے باز آجائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الواقع اپنے چچا کے بہت احسان مند تھے کیونکہ دادا کی وفات کے بعد آپ کی پرورش کا سارا بار انھوں نے ہی اپنے سر پر اٹھایا تھا اور آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ دعوئ نبوت کے بعد جب اہل مکہ آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے تو ابو طالب ہی کی شخصیت تھی جو آپ کو کفار کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھتی تھی اگر کوئی دنیوی معاملہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ممکن قربانی کر کے بھی چچا کی بات کو قبول کر لیتے لیکن موجودہ مطالبہ ایسا تھا جس کا قبول کرنا آپ کی مخالفت سے باہر تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا اور روئے زمین پر توحید پھیلانے کا عظیم الشان کام آپ کے سپرد کیا تھا۔ اس کے بدلے اگر آپ کو دنیا بھر کی نعمتیں بھی دی جاتیں تو آپ کبھی قبول نہ کرتے۔

اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت سخت مشکل میں گھرے ہوئے تھے ایک جانب خدائی فرض یہ کہہ رہا تھا کہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے جادۂ استقامت سے نہ ہٹنا۔ دوسری طرف چچا کا احترام اس بات کا متقاضی تھا کہ ان کے سر سے مشکلات کے بار گراں کو دور کیا جائے۔ اس وقت نہ صرف آپ بلکہ تمام بنو ہاشم

قریش کے رحم وکرم پر تھے قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ٹوٹ پڑنے کے لئے اونیٰ ترین موقعہ کی تلاش میں تھے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو ان کی تمام باتوں کا علم تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر ایمان آپ کو اپنی جان اور تمام اہل وعیال سے عزیز تر تھا۔ اسی لئے جب آپ نے ابوطالب کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو آپ نے کمال استقامت سے جواب دیا۔

"چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر لا کر رکھ دیں اور مجھ سے اس بات کے طالب ہوں کہ میں اس چیز کو جو میں نے اختیار کی ہوئی ہے، چھوڑ دوں تب بھی میں اسے نہ چھوڑوں گا تا آنکہ اللہ تعالےٰ مجھے غلبہ عطا فرما دے یا میں اسی کوشش میں ہلاک ہو جاؤں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود بھی اپنے جواب کی شدت اور قوت کو محسوس کرتے تھے اور اس کا اثر پوری طرح آپ کے دل پر تھا یہی وجہ تھی کہ یہ بات کرتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ جب بات ختم کر چکے تو آپ چچا کے پاس سے اٹھ کر جانے لگے۔ چچا پر بھی آپ کی باتوں کا زبردست اثر ہوا۔ جب آپ نے پیٹھ موڑی تو انہوں نے آواز دی:-

"بھتیجے! یہاں آؤ"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مڑے تو انھوں نے کہا:-

"بھتیجے! جاؤ اور اپنے کام میں لگے رہو میں جیتے جی تم پر کوئی آنچ نہ آنے دونگا"

ابوطالب کو یقین تھا کہ جب قریش کو بھتیجے کے اس جواب کا پتہ چلے گا تو

وہ آگ بگولا ہو جائیں گے اور اسے نقصان پہنچانے کی ہر تدبیر اختیار کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ چنانچہ اسی خطرے کے پیش نظر وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے پاس گئے اور آج کی تمام گفتگو اور اپنے خدشات کا ذکر کر کے ان سے درخواست کی کہ کوئی خطرہ پیش آنے پر وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی مدافعت کریں اور اسے قریش کی ایذا رسانیوں سے محفوظ رکھیں تمام بنو ہاشم نے صدق دل سے آپ کی مدافعت کا اقرار کیا ماسوا آپ کے چچا ابولہب کے جو آپ کی دشمنی میں اندھا ہو رہا تھا۔ اسی دشمنی کے باعث اس نے کھلم کھلا اپنے خاندان کا ساتھ چھوڑ کر دشمنوں سے مل جانا پسند کر لیا۔

ایذا رسانی میں زیادتی

وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ جب قریش کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابوطالب کی معروضات کو ٹھکرا دیا ہے اور ابوطالب اور ان کے قبیلہ بنو ہاشم نے بجائے حضورؐ سے قطع تعلق کرنے کی بجائے ان کی حفاظت کا عہد کر لیا ہے تو ان کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور انھوں نے ابوطالب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کے خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب کو مکہ کے قریب ایک گھاٹی میں جسے اس واقعہ کی مناسبت سے "شعب ابی طالب" کا نام دیا جاتا ہے، محصور کر کے ان کا مکمل بائیکاٹ کر دیا کھانے پینے کی کوئی چیز وہ ان تک نہ پہنچنے دیتے تھے تین سال بنو ہاشم اور بنو مطلب نے سخت مصیبت میں بسر کئے، چھوٹے چھوٹے بچے بھوک سے بلبلاتے

تھے اور ان کے رونے اور چیخنے چلانے کی آوازیں گھاٹی کو عبور کر کے قریش کے کانوں میں پڑتی تھیں لیکن ان بے رحم اور شقی القلب لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ آخر تین سال کی طویل مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے قریش کے بعض لوگوں کے دلوں میں رحم ڈالا اور انھوں نے اپنی سعی و کوشش سے اس ظالمانہ محاصرہ کو ختم کرایا اور بنو ہاشم گھاٹی سے نکل کر دوبارہ مکہ میں آئے

تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آزادی سے زیادہ عرصہ لطف اندوز نہ ہو سکے نبوت کے دسویں سال شفیق و ہمدرد چچا ابو طالب اور مونس و غمخوار بیوی خدیجہ کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا۔ اب کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو آپ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دیتا یا کفار کے مظالم کے وقت اس کے محبت اور سکینت بھرے الفاظ آپ کی ڈھارس بندھاتے دشمن ایسے ہی موقع کی تاک میں تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ آپ کے دو بھاری مددگار اس دنیا سے اُٹھ گئے ہیں اور آپ تنہا رہ گئے ہیں تو اس نے آپ پر ظلم و ستم ڈھانے کے لئے کمر کس لی اور اس طرح مظالم کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

اہل طائف کا شرمناک رویہ

جب کفار مکہ کی ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں اور مکہ میں دین حق کی تبلیغ کرنا ناممکن ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف جا کر وہاں کے قبیلہ ثقیف

تک پیغام حق پہنچانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ آپ اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کو ساتھ لے کر وہاں تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں کے لوگوں نے آپ سے مکہ والوں سے بھی بدتر سلوک کیا۔ آپ وہاں کے رؤساء کے پاس گئے۔ لیکن انھوں نے سیدھے منہ بات بھی کرنا پسند نہ کیا مہمان نوازی عربوں کی خاص صفت ہے لیکن انھوں نے آپ کی دشمنی میں اپنے قومی شعار سے بھی ہاتھ اٹھا لیا اور تقلید کے اوباش لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو آپ پر آوازے کستے اور پتھر پھینکتے جاتے تھے پتھروں کی بارش اتنی سخت ہوئی کہ آپ کے موزے خون سے بھر گئے۔ آخر اسی حالت میں آپ شہر سے نکلے اور ایک باغ میں جا کر پناہ لی۔ آپ اس وقت نہایت ہی دردناک حالت میں تھے جب آپ کو طائف کے شورش پسندوں سے نجات ملی اور آپ کو اپنی دردناک حالت کا کماحقہ احساس ہوا تو آپ نے نہایت گڑگڑا کر اپنے رب سے مناجات کی جس میں نہایت درد بھرے الفاظ میں اپنی کمزوری اور بے یار و مددگار ہونے کا اظہار کیا۔ آپ نے کہا :-

اللھمّ الیک اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی الی الناس یا ارحم الراحمین۔ انت رب المستضعفین وانت ربّی۔ الی من تکلنی ؟ الیٰ بعید یتجھمنی ؟ الی عدوٍّ ملکتہ امری ؟ ان لم یکن بک علیّ غضب فلا ابالی۔ اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والاخرۃ من ان تنزل بی غضبک او تحلّ علیّ سخطک لک العتبیٰ حتی ترضی ولاحول ولاقوۃ الا بک ......؟

(ترجمہ) اے اللہ! میں اپنی کمزوری۔ بے تدبیری اور لوگوں میں اپنی ذلت کی شکایت تجھی سے کرتا ہوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ رحم کرنے والے! تو کمزوروں کو ترقی پر پہنچانے والا ہے اور تو میری بھی پرورش کرنے والا ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ کیا ایسے دور والے کے جو میرے ساتھ ترش روئی سے پیش آتا ہے۔ یا ایسے شخص کے جس کو میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر مجھ پر تیرا غصہ نہیں ہے تو پھر میں کچھ پروا نہیں کرتا۔ مگر تیرا احسان میرے لئے بہت وسیع ہے میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے دنیا و آخرت کا معاملہ درست ہو گیا اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری خفگی ہو مجھے تیری ہی رضا مندی کی طلب ہے حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے اور تیرے سوا کسی میں نہ ضرر دور کرنے کی قوت ہے اور نفع پہنچانے کی۔

مدینہ کی جانب ہجرت

طائف والوں کے ظالمانہ سلوک کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجبوراً مکہ لوٹے اور وہاں تبلیغ حق کا کام دوبارہ شروع کر دیا۔ جب کفار مکہ نے دیکھا کہ آپ تبلیغ کرنے سے کسی طرح بھی باز نہیں آتے تو انھوں نے آپ کے قتل کے منصوبے بنانے اور نور نبوت کو ختم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے پہلے ہی سے خطرے کا احساس کر کے اپنے متبعین کو مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ تعمیل ارشاد میں آہستہ آہستہ بیشتر مسلمان مکہ چھوڑ کر مدینہ پہنچ گئے۔ آخر وہ دن بھی آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھی ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ آپ رات کی تاریکی میں گھر سے نکلے۔ تین دن مکہ کے قریب غار ثور میں بسر کیے۔ اور پھر اپنے رفیق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کی راہ لی جہاں مہاجرین مکہ کے علاوہ مدینہ کے نومسلمین بھی بڑے ذوق و شوق سے آپ کی راہ تک رہے تھے اور آپ کے انتظار میں چشم براہ تھے۔

وحدت عربیہ کے قیام کی کوشش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ کی جانب ہجرت کرنے سے تاریخ اسلام کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس دور کا سب سے اہم مظہر توحید صفوف ہے۔ اسلام دراصل دین توحید ہے اور اس کے آنے کی غرض دینی اور سیاسی توحید قائم کرنا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ تشریف لاتے ہی اس غرض کے لئے کوششیں شروع کردیں۔ سب سے پہلے آپ نے مہاجرین اور اہل مدینہ (انصار) کے مابین کامل اتحاد قائم کرایا۔ پھر انصار کے مابین اتحاد کی داغ بیل ڈالی۔ کیونکہ آپ کی تشریف آوری سے قبل خود انصار میں باہم سخت اختلاف موجود تھا اور وہ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے حتی کہ ان کے درمیان خونریز جنگیں بھی ہو چکی تھیں۔ مدینہ میں

اوس و خزرج کے قبیلوں (جو مسلمان ہو چکے تھے) کے علاوہ یہود کے کئی قبائل بھی آباد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اپنے قریب کرنے اور ان سے دوستی کا معاہدہ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ یہود کو مسلمانوں سے خاص دشمنی تھی اور وہ ان کے خلاف ہمیشہ ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے ان کی اس روش کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجبوراً ان کے خلاف میدان میں آنا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا زور ٹوٹ گیا۔ اور ان کے قبائل کو یکے بعد دیگرے مدینہ سے جلا وطن ہونا پڑا تا آنکہ مدینہ میں ایک بھی یہودی باقی نہ رہا۔

سب سے اہم معاملہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو درپیش تھا وہ یہ تھا کہ اہل مکہ کے بارے میں کیا موقف اختیار کیا جائے۔ آپ جانتے تھے کہ ایک متحدہ دولت عربیہ اس وقت تک قائم نہیں کی جا سکتی جب تک مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یعنی قریش پر غلبہ نہ حاصل کیا جائے کیونکہ اہل عرب پر ان کا زبردست اثر تھا اور وہ انہیں نہایت عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اگر وہ مطیع ہو جاتے تو تمام عرب مطیع ہو جاتا لیکن جب تک ان کی مسلمانوں سے ٹھنی رہتی دیگر قبائل کا مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنا ناممکن تھا۔ چونکہ اہل مکہ کا پیشہ تجارت تھا اور ان کے تجارتی قافلے دور دراز علاقوں میں جاتے رہتے تھے۔ اس لئے آپ نے انہیں مطیع کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ سوچا کہ ان کے قافلوں کی ناکہ بندی کر دی جائے اور شام جانے والی گزرگاہ جس پر سے اہل مکہ کے قافلے گذرتے تھے بند کر دی جائے۔ چنانچہ آپ نے صحابہ

کو حکم دیا کہ وہ کفار مکہ کے تجارتی قافلوں کی ٹوہ رکھیں اور کسی قافلے کو مدینہ کے قریب سے گزرنے کی اجازت نہ دیں چنانچہ کفار مکہ کے تجارتی قافلوں کی باقاعدہ ناکہ بندی شروع کر دی گئی[1] قریش کے لئے مسلمانوں کا یہ اقدام بہت تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ان کی

---

[1] مصنف کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حکومت کے قیام کی خاطر قریش کے قافلوں کو روکنے کا منصوبہ بنایا تھا حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ ہر شخص کو معلوم ہے قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے جب تک آپ مکہ میں رہے وہ آپ کو اور آپکے متبعین کو سخت تکلیفیں دیتے رہے۔ انہی کے مظالم سے تنگ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ہجرت کے بعد بھی کفار مکہ نے آپ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا اور مدینہ پر حملہ کرنے اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے مشورے کرنے لگے۔ سب سے پہلے انہوں نے مدینہ کے منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کو ایک تہدید آمیز خط لکھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے یا تو تم اسے ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہم تم پر حملہ کر کے تمہیں تباہ و برباد کر دیں گے۔ چونکہ عبداللہ بن ابی بے بس تھا اسلئے کچھ کر نہ سکا جب قریش نے دیکھا کہ اہل مدینہ پر ان کی دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ تو انھوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے باقاعدہ منصوبے بنانے شروع کئے اور اسی غرض کیلئے تجارتی قافلوں میں سرمایہ لگانا شروع کیا تاکہ جو نفع حاصل ہو اُسے مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں صرف کیا جائے چونکہ یہ قافلے مدینہ سے بالکل قریب ہو کر گذرتے تھے اور انکا مدینہ سے اتنا قریب ہو کر گذرنا مسلمانوں کیلئے سخت خطرات کا موجب ہو سکتا تھا کیونکہ یہ قافلے ارد گرد بسنے والے قبائل کو مسلمانوں کیخلاف اکساتے تھے دوسرے یہ تجارتی قافلے مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بھیجے جا رہے تھے اسلئے رسول اللہ نے انکی روک تھام ضروری سمجھی۔ انکے روکنے سے حضورؐ کا مقصد نعوذ باللہ ہوس ملک گیری اور لوٹ مار کرنا نہ تھی جیسا کہ مصنف کتاب ہذا نے بھی مستشرقین کے زیر اثر سمجھا ہے (مترجم)

زندگی کا تمام تر دارومدار تجارت پر تھا۔ چنانچہ انھوں نے پوری قوت سے اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس کے نتیجہ میں جنگ بدر معرض وجود میں آئی جو اپنے دوررس اثرات کے باعث تاریخ اسلام کی فیصلہ کن جنگ شمار ہوتی ہے۔

مسلمانوں کا خروج

۱۷ رمضان ۲ھ کو منگل کے روز صبح سویرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سو تیرہ صحابہ کو ساتھ لے کر قریش کے اس تجارتی قافلہ کو روکنے کیلئے نکلے جو شام سے مکہ واپس جا رہا تھا۔ یہ قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا اور اس پر جو سامان تجارت لدا ہوا تھا اس کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی۔

قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے متبعین کے سخت دشمن تھے۔ قیام مکہ کے دوران میں انھوں نے مسلمانوں کو سخت تکلیفیں دیں اور بالآخر انہیں مکہ سے نکال کر چھوڑا۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کا وہ تمام مال و اسباب بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔ جو وہ مدینہ کی جانب ہجرت کرتے ہوئے مکہ میں چھوڑ گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ عرب میں اس وقت تک پوری طرح اسلام نہیں پھیل سکتا جب تک قریش آپ کی اطاعت قبول کر کے حلقہ بگوش اسلام نہ ہو جائیں۔ کیونکہ قریش کو عرب میں مرکزی حیثیت حاصل تھی کعبہ کی تولیت حاصل ہونے کے باعث ہر شخص کی نگاہیں سب سے پہلے انہی کی طرف اٹھتی تھیں اور وہ ہر معاملہ میں انہی کے پیچھے

چلتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لیتے اور مسلمان ہو جاتے تو باقی عرب کا اسلام قبول کر لینا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر نگین آ جانا کوئی مشکل کام نہ رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کا اقتصادی محاصرہ شروع کر دیا۔ اور مسلمانوں کے ان اموال کے بدلے میں جو قریش نے زبردستی اپنے قبضے میں کر لئے تھے، قریش کے تجارتی اموال کو اپنے قبضے میں لینے کی کوشش شروع کر دی۔ اس غرض کے لئے آپ نے قریش کے تجارتی قافلوں پر چھاپہ مارنے کے لئے مختلف اوقات میں چھوٹے چھوٹے لشکر بھجوانے شروع کئے۔ ان لشکروں کے بھجوانے کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ ایک طرف تو مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی مشق کرائی جائے، دوسری طرف دشمنوں پر بھی اپنا رعب داب قائم کر دیا جائے۔ لیکن ان لشکروں کو کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی اور وہ کسی قافلہ سے بیش قرار مال حاصل نہ کر سکے تا آنکہ بدر کا معرکہ پیش آیا۔

اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ قریش کا ایک قافلہ بھاری سامانِ تجارت لے کر شام سے آ رہا ہے جس قافلہ کا سردار مشہور معاندِ اسلام ابوسفیان تھا۔ یہ خبر سن کر آپ نے مسلمانوں کو اپنے ساتھ چلنے کی تلقین کی۔ لیکن چونکہ مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جنگ کے لئے نہیں بلکہ قافلہ کو روکنے کے لئے جا رہے ہیں اس لئے بہت تھوڑے لوگ آپ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان لوگوں کی تعداد تین سو سے کچھ ہی اوپر تھی۔

ابوسفیان کا خوف وہراس

ابوسفیان بھی بے خبر نہ تھا جب وہ شام کی حدود کو پار کر کے حجاز کی حدود میں داخل ہوا تو اس نے بہت ہی ہوشیاری سے سفر کرنا شروع کیا۔ چونکہ اسے مسلمانوں کے حملہ کا پہلے ہی سے ڈر تھا اس لئے اس نے قافلے کے آگے اپنے جاسوس روانہ کر دیئے جاسوس دوران سفر میں ہی یہ خبر لائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلے ہیں۔ یہ خبر سن کر ابوسفیان کو بہت خوف محسوس ہوا اور اس نے ایک آدمی کو یہ ہدایت دے کر مکہ بھیجا کہ وہ قافلہ کی حفاظت کے لئے وہاں سے فی الفور ایک لشکر لے کر آئے جب یہ خبر قریش کو ملی تو سارے مکہ میں اضطراب برپا ہو گیا چونکہ قریش نے اس قافلہ میں بہت زیادہ سرمایہ لگایا ہوا تھا۔ انہیں خدشہ پیدا ہوا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قافلہ پر قابو پالیا تو انہیں بہت زیادہ مالی نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ چنانچہ قریش کے سردار ابوجہل نے فوراً ایک لشکر مرتب کیا جو نو سو سے ایک ہزار نفوس پر مشتمل تھا۔ اس لشکر میں مکہ کا ہر قابل ذکر شخص موجود تھا۔ اگر کوئی شخص خود نہ جا سکا تو اس نے اپنی جگہ دوسرے آدمی کو بھیج دیا۔ جب لشکر پوری طرح مرتب ہو گیا تو اس نے مدینہ کی جانب کوچ شروع کر دیا اور وادی بدر میں جا کر ڈیرے لگا دیئے۔ بدر کی وادی حجاز کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ ادھر ابوسفیان نے مکہ میں خبر بھیجنے کے بعد اصل راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ اختیار کر لیا اور

اس طرح مسلمانوں کے چنگل سے بچ کر نکل گیا جب وہ مکہ پہنچا تو اس نے قریش کے لشکر کو یہ پیغام بھیجا کہ قافلہ صحیح سلامت پہنچ گیا ہے اس لئے اب تم واپس آ جاؤ۔ یہ پیغام پہنچنے پر لشکر میں اختلاف رونما ہو گیا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ اب ہمیں واپس چلنا چاہیئے کیونکہ ہمارا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ لیکن جو شیلے طبقہ کی یہ رائے تھی کہ نہیں ہمیں مزدور مسلمانوں سے جنگ کرنی چاہیئے۔ اور ان پر قابو پانے کے بعد تین روز تک بدر میں جشن منانا چاہیئے تاکہ ایک طرف عربوں پر ہمیشہ کے لئے ہمارا رعب و داب قائم ہو جائے دوسری طرف مسلمان آئندہ کبھی ہمارے قافلوں پر چھاپہ مارنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

دراصل قریش میں خود پسندی کا مادہ بہت زیادہ سرایت کر گیا تھا۔ اور ان میں اپنی طاقت کا بے جا غرور پیدا ہو گیا تھا۔ وہ بڑے قیمتی جنگی گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلے تھے ہتھیاروں کی ان کے پاس کمی نہ تھی۔ مزید براں وہ ان کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے کئی گنا زیادہ تھی اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں فتح حاصل کرنے سے باز نہ رکھ سکے گی۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی یہ حالت تھی کہ انہیں پیٹ بھر کر روٹی میسر نہ آتی تھی اور فاقوں سے ان کا برا حال تھا۔ سارے لشکر میں صرف ایک گھوڑا تھا اور ہر تین آدمیوں کے لئے ایک اونٹ جس پر وہ یکے بعد دیگرے سوار ہوتے تھے

جنگ بدر

بدر کی وادی میں دونوں لشکر آمنے سامنے کھڑے تھے اور فیصلہ کن مقابلہ کے لئے بے تاب تھے۔ اس زمانہ میں فنونِ حرب ابتدائی حالت میں تھے، عرب ایرانیوں اور رومیوں کی طرح بھاری لشکر میدان میں نہ لاتے تھے بلکہ چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں لڑتے تھے اور کسی فریق کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ ہوتی تھی اس صورت میں ظاہر ہے کہ لڑائیاں معمولی نوعیت کی ہوتی ہونگی اور ان میں کام آنے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہوتی ہوگی۔ غزوہ بدر پہلی جنگ ہے جو وسیع پیمانے پر لڑی گئی اور اس میں شامل ہونیوالوں کی تعداد اس سے قبل عرب میں برپا ہونیوالی تمام جنگوں میں شامل ہونے والوں سے زیادہ تھی

اگرچہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی لیکن اس مرحلہ پر مسلمانوں کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ دشمنوں سے مقابلہ کئے بغیر مدینہ لوٹ جاتے کیونکہ اس طرح انہیں سخت ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا۔ منافقین کی بن آتی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف شدید شغب برپا کر دیتے اور سب سے بڑھ کر یہ اس معنوی روح کو سخت صدمہ پہنچتا جو مسلمانوں میں سرایت کر چکی تھی۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مناسب سمجھا کہ گو مسلمانوں کی تعداد بہت قلیل ہے لیکن اس کے باوجود ہر حالت میں کفار کا مقابلہ کیا جائے چنانچہ آپ نے ایک ایسی جگہ چنی جہاں سے باسانی لشکر قریش پر حملہ کیا جا سکتا تھا

فوج کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا اور ہر ایک حصہ پر علیحدہ علیحدہ قائد مقرر کر دیا پھر
ان حصّوں کی بھی مزید تقسیم کی۔ اس کے بعد انہیں باقاعدہ صفوں میں کھڑا کر دیا
پھر ان حصوں کی بھی مزید تقسیم کی۔ اس کے بعد انہیں باقاعدہ صفوں میں کھڑا کر دیا
اور ایک تیر کے ذریعے خود تمام صفوں کو سیدھا کیا۔ اگر کوئی آدمی صف سے باہر نکلا
ہوا تھا اسے پیچھے کیا اور اگر کوئی پیچھے تھا تو اسے آگے کیا۔ اس طرح صفیں بالکل
سیدھی ہو گئیں۔ صفوں میں سب سے آگے آپ نے تیر اندازوں کو رکھا اور انہیں
حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی جگہ ہی پر کھڑے رہیں اور اس وقت تک دشمن پر تیر نہ چلائیں جب
تک دشمن ان کے بالکل قریب نہ آ جائے۔ اس سے آپ کی غرض یہ تھی کہ قریش پر
یک دم تیروں کی بارش کی جائے اور پہلے ہی حملہ میں ان کی کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ
اتار دیا جائے۔

یہ لشکر جو قدم سے قدم ملائے ہوئے کھڑا تھا بہت حد تک ان نمازیوں سے
مشابہ تھا جو مسجد میں نماز کے لئے صف باندھے کھڑے ہوں چنانچہ بعض مستشرقین
کا یہ کہنا ہے کہ نماز بھی دراصل جنگی فنون سکھانے کا ایک ذریعہ ہے۔

لڑائی کی ابتداء

لڑائی کی ابتداء انفرادی طور پر دعوت مبارزت سے ہوئی، جیسا کہ قدیم
عربوں کی عادت تھی چنانچہ دشمن کے لشکر سے تین آدمی باہر نکلے اور انھوں نے تین

ایسے مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے بلایا جو شرف وحسب اور نسب میں ان کے برابر ہوں چنانچہ ان کے مقابلہ کے لئے تین مسلمان نکل آئے۔ قریش کو اپنے حسب و نسب اور شرف دعوت کا اس قدر غرور تھا کہ دعوت مبارزت دینے والے کفار نے مقابلہ کرنے سے پہلے اپنے حریف مسلمانوں سے ان کے نام پوچھے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے سے کسی کمتر مسلمان کے مقابلہ میں آجائیں۔

انفرادی مقابلوں کے بعد عام حملہ شروع ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لشکر اگرچہ تعداد میں بہت کم تھا۔ خوراک کی کمی کی وجہ سے لشکریوں کے جسم مضمحل ہو رہے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے دل ایمان سے بھرپور تھے اور وہ پوری دل جمعی کے ساتھ کفار کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ کیونکہ وہ خوب جانتے تھے۔ کہ اگر وہ ہلاک ہو گئے تو دین خدا ہی نابود ہو جائے گا اور اگر انھیں شکست ہوئی تو قریش مدینہ پر چڑھ آئیں گے اور اس پر تسلط حاصل کر کے مردوں کو قتل کریں گے اور ان کی اولاد اور بیویوں بیٹیوں کو قیدی بنالیں گے۔ اس لئے انھوں نے جان توڑ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا اور تھوڑی دیر کے مقابلے کے بعد اس دشمن کو شکست فاش دے دی جو تعداد قوت و طاقت اور سامان جنگ کے لحاظ سے ہر طرح ان سے برتر تھا۔ اور اس طرح یہ ثابت کر دکھایا کہ فتح کا دارو مدار ہمیشہ معنوی طاقت پر ہوتا ہے بھاری لشکروں اور وافر اسلحہ پر نہیں یہ پہلی فتح تھی

جو مسلمانوں کو اپنے دشمنوں پر حاصل ہوئی۔

اس جنگ کے دوران میں سب سے زیادہ اثر انگیز وہ گفتگو ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے پروردگار اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبلہ رو ہو کر بڑے خشوع وخضوع سے مسلمانوں کی فتح کے لئے دعائیں مانگنی شروع کیں۔ خشوع وخضوع اور بے قراری کی یہ حالت تھی کہ آپ بار بار اپنے ہاتھ اپنے رب کے حضور اٹھاتے اور وہ چادر جو آپ کے کندھوں پر پڑی ہوئی تھی زمین پر گر گر پڑتی۔ آپ کی زبان سے اس وقت یہ الفاظ نکل رہے تھے۔

"اے اللہ! اگر آج تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو آئندہ کبھی روئے زمین پر تیری پرستش نہیں کی جائے گی"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے قراری کی یہ حالت دیکھی تو انھوں نے آپ سے عرض کیا۔

"یا نبی اللہ! اب بس کیجئے، اللہ تعالےٰ فتح کے اس وعدہ کو جو اس نے آپ سے کیا ہے ضرور پورا فرمائے گا۔"

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کتنا زبردست ایمان اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر کس قدر محکم یقین تھا۔ چنانچہ مشہور مستشرق نولڈیکے لکھتا ہے۔

"اللہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت پر ابو بکرؓ کے ایمان کو اس پہاڑ سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے جو کسی حالت میں بھی اپنی جگہ سے نہیں سرکتا۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر آج مسلمانوں میں ابو بکر جیسا ایمان پیدا ہو جائے تو وہ بہت جلد اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کر لیں اور مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں انہی کی فرمانروائی قائم ہو جائے۔

بدر میں کفار کے لشکر پر تہی دست اور غریب و بیکس مسلمانوں کی فتح سے تمام قبائل عرب حیران و ششدر رہ گئے اور ان کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب و داب قائم ہو گیا۔ انھیں واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ شمالی عرب کے ایک چھوٹے سے قصبے سے ایک نئی طاقت ابھری ہے جس کے وجود سے وہ اس وقت تک بے خبر تھے یا کم از کم اس وقت تک انھوں نے سنجیدگی سے اس کی طرف توجہ نہ کی تھی

دیگر جنگیں

جنگ احد جو جنگ بدر کے بعد وقوع پذیر ہوئی میری نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اگرچہ اس میں مسلمانوں کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا لیکن اس کے باوجود اس وقتی صدمہ سے مسلمانوں اور اسلام کی ترقی پر کوئی اثر نہ پڑا بلکہ یہ ناکامی ان کے لئے اس لحاظ سے فائدہ مند ثابت ہوئی کہ آئندہ ہونے والی جنگوں میں انھوں نے ان چیزوں سے بچنے کی کوشش کی جن کے باعث انھیں جنگ بدر

میں ناکامی اٹھانی پڑی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ ان کے لئے فتوحات کا دروازہ کھل گیا، اور انہیں ہر معرکہ میں فتح نصیب ہوئی۔ جنگ احد میں مسلمانوں کو جو نقصان اٹھانا پڑا اس کا سبب یہ تھا کہ بعض تیر انداز جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حفاظت کی غرض سے ایک پہاڑی پر متعین کر دیا تھا، اور انھیں اس جگہ کھڑے رہنے کی ہدایت کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کو نظر انداز کرتے ہوئے غنیمت کے لالچ میں پہاڑی سے نیچے اتر آئے اور اس طرح درہ بالکل خالی رہ گیا۔ کفار مکہ کے ایک سردار خالد بن ولید نے جو بہت دور رس نگاہ رکھتے تھے، درہ کو خالی دیکھا تو انھوں نے ایک دستۂ فوج کے ہمراہ پیچھے سے چکر کاٹ کر درہ کی راہ سے مسلمانوں پر بے خبری کی حالت میں حملہ کر دیا، اور اس طرح مسلمانوں کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا۔

جنگ خندق بھی دوسری جنگوں کی طرح ایک عام جنگ تھی اور اس میں کوئی نئی بات نہ تھی سوائے اس کے کہ مسلمانوں نے اثناء محاصرہ میں بہت بڑی استقامت اور بہادری کا ثبوت دیا۔ چنانچہ قریش خائب و خاسر لوٹ گئے اور اپنا مقصود حاصل نہ کر سکے۔ اس جنگ کا ایک اہم نتیجہ یہ ہوا کہ قبائل عرب پر مسلمانوں کا رعب و داب پہلے سے بہت زیادہ بیٹھ گیا، اور وہ سمجھنے لگے کہ اب مسلمانوں کو مٹانا ناممکن بات ہے۔ اسی خیال کے زیر اثر ان میں سے بہت سے قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔

مسلمانوں کو سب سے عظیم الشان کامیابی فتح مکہ کے موقعہ پر حاصل ہوئی۔ مکہ بت پرستی کا گڑھ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پر تسلط حاصل کرنے سے وہ گڑھ ختم ہو گیا۔ اور بت پرستی جزیرۂ عرب سے نابود ہو گئی۔ صرف طائف کا قلعہ باقی رہ گیا تھا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اب اہل عرب جوق در جوق مدینہ میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام جزیرۂ عرب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تسلط قائم ہو گیا۔ اور تمام قبائل عرب کو متحد کر کے انھیں ایک حکومت کے تحت لانے کا جو ارادہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا تھا۔ وہ بعینہٖ پورا ہو گیا۔ خدا کی بات پوری ہوئی اور تمام عرب میں اسلام ہی کا بول بالا ہو گیا۔

بے مثال شخصیت
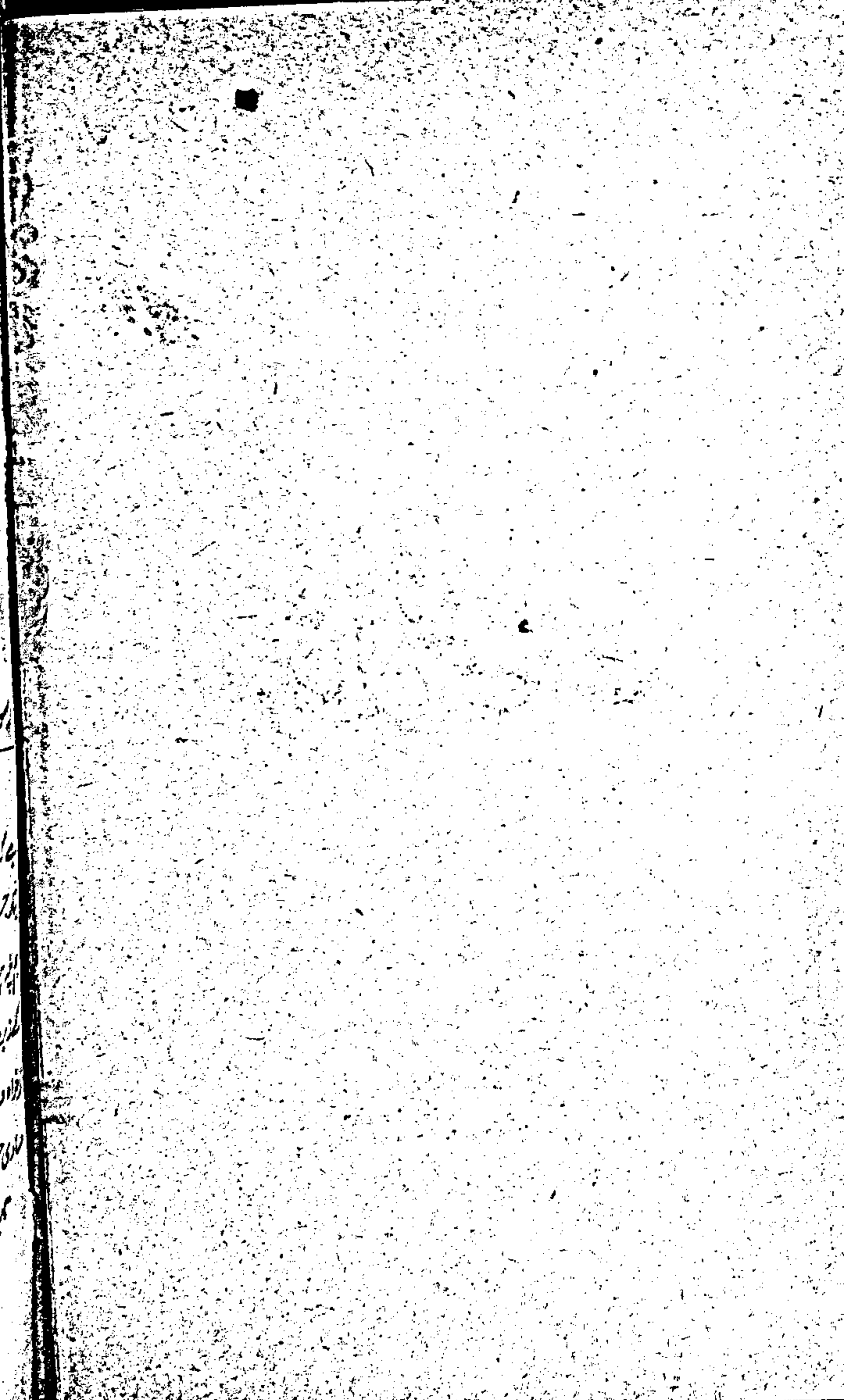
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عواطف وجذبات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت طیبہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر آج تک ایسا کوئی شخص پیدا نہیں ہوا جو ایمان وایقان، قربانی و ایثار، جرأت وہمت، عدل وانصاف، رحمت وشفقت، سلوک واحسان میں آپ کا ہم پلہ ہو۔ آپ حریت ضمیر کے پرجوش داعی اور انسان پر فکری اور نظری قیود عائد کرنے کے زبردست مخالف تھے جو نظام آپ نے قائم کیا تھا۔ اس کی رو سے تمام انسانوں کو خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی، امیر ہوں یا غریب، چھوٹے ہوں یا بڑے، آقا ہوں یا غلام مساوی حقوق دیئے گئے تھے اور کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہ تھی۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جذبات وعواطف کے لحاظ

سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ایک طرف آپ حد درجہ رحم دل، حساس اور نرم طبیعت انسان تھے۔ دوسری طرف قوت ایمانی، شجاعت، جواں مردی، دین کی خاطر مصائب و آلام برداشت کرنے اور بڑے سے بڑے خطرے کو مول لینے میں کوئی شخص آپ کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ معرکۂ احد میں آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کافروں کے ہاتھوں شہید ہو جاتے ہیں۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے پیٹ چاک کر کے ان کا جگر اپنے دانتوں سے چبا ڈالتی ہے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی نعش پر پہنچتے ہیں اور یہ دردناک منظر دیکھتے ہیں تو بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور آپ کے ساتھ دوسرے مسلمان بھی رونے لگتے ہیں۔

والدہ کی قبر پر

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد آپ کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کا موقع ملتا ہے۔ قبر پر پہنچ کر آپ ضبط نہیں کر سکتے اور اس حالت میں قبر کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں کہ آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حالت دیکھ کر دوسرے مسلمانوں کے سامنے آپ کی یتیمی اور بے کسی والے زمانہ آجاتا ہے اور ان کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

فتح مکہ کے موقع پر جب آپ شہر میں فاتحانہ حالت میں داخل ہونے

ہیں تو ایک قبر پر جاتے ہیں جو آپ کے چچا یا پھوپھی کی تھی۔ کچھ دیر وہاں ٹھہر کر جب لوٹتے ہیں تو آپ کے چہرے سے گہری افسردگی ٹپک رہی ہوتی ہے اور رنج والم کے نشانات آپ کے بشرے سے ظاہر ہو رہے ہوتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حزن والم اس لئے تھا کہ آپ کے آباؤ اجداد اسلام کے ظہور سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔ اور انھیں اسلام کی شان و شوکت اور اس بچے کے عروج و اقبال کا زمانہ دیکھنے کا موقعہ نہ ملا جسے وہ یتیمی کی حالت میں چھوڑ گئے تھے۔ انھیں کیا پتا تھا کہ یہ غریب و بیکس بچہ ایک دن ساری دنیا کا سرتاج بنے گا۔ اور وہ سرداران قریش جنھوں نے مسلسل بیس سال تک اس کی شدت سے مخالفت کی، اب اس کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

ابراہیم کی وفات

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا سب سے زیادہ اثر انگیز اور دلگداز واقعہ وہ ہے جب آپ کے لڑکے ابراہیمؑ کی وفات ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سرہانے کھڑے ہیں۔ اس پر نزع کی حالت طاری ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رنج والم سے بے تاب ہو کر اسے اپنی گود میں اٹھا لیتے ہیں اور دیر تک اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہتے ہیں۔ ابراہیم کی نازک حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں

ڈبڈبا آئیں صحابہ کرام بھی یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اپنے محبوب رسول کو روتے دیکھ کر ان کے دل بھی بے چین ہو گئے اور وہ بالکل خاموش اور ساکت ہو کر کھڑے ہو گئے ، کوئی شخص ایک لفظ بھی منہ سے نکالنے کی جرأت نہ کرتا تھا شیر خوار بچہ سخت بے قراری کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں تڑپ رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جذبات کو دبانے اور آنسوؤں کو روکنے کی بے حد کوشش کی لیکن یہ چیز انسانی طاقت سے باہر تھی بچے کی آخری حالت دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روتے ہوئے فرمایا

" اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی سے غمگین ہیں۔ آنکھ روتی ہے اور دل فسردہ ہوتا ہے۔ لیکن ہم زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکالتے جو ہمارے پروردگار کی ناراضی کا باعث ہو۔"

اس سانحہ پر غور کرتے ہوئے ہمارا ذہن معاً اٹھارہ ماہ قبل کے واقعہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جب ابراہیم پیدا ہوئے تھے ۔ اور رسول اللہ علیہ آلہٖ وسلم نے اپنے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر بچہ کا نام ابراہیم رکھا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام روزانہ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور انہیں اپنے سینے سے چمٹا کر پیار کیا کرتے تھے۔ آپ کو بیٹے سے بے حد محبت تھی اور آپ کو لڑکے کی خواہش بھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب قضائے الٰہی سے وہ لڑکا فوت ہو گیا تو طبعی طور پر آپ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ رونے لگے اور آپ کو روتے

دیکھ کر دوسرے صحابہ بھی رونے لگے۔ یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گداز دل اپنے پہلو میں رکھتے تھے جو دوسرے کی ادنیٰ مصیبت دیکھ کر بے قرار ہو جاتا تھا۔ جب خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک شدید صدمہ سے دو چار ہونا پڑا تو اس پر کیوں اثر نہ ہوتا؟ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حزن و ملال صرف آنسو بہانے تک محدود رہا اور جزع فزع کی کوئی ادنیٰ علامت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی قول یا فعل سے صادر نہیں ہوئی جب ابراہیم کو دفن کیا جا چکا تو قبر پر تھوڑا سا پانی چھڑکا گیا اور علامت کے طور پر ایک اینٹ نصب کر دی گئی اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:-

"اے میرے بیٹے! قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ تم سے پوچھے تو تم کہنا کہ اللہ میرا رب ہے۔ اسلام میرا دین ہے اور اللہ کے رسول میرے والد محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔"

مندرجہ بالا واقعات کا تذکرہ ہم نے اس لئے کیا ہے کہ تا کہ دکھا سکیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل کس قدر نرم تھا جو مصیبت کے وقت بےچین ہو جاتا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ جب دین کا معاملہ آتا تھا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دل کو کڑا کر لیتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ ایک طرف تو جب ابراہیم کی وفات ہوتی ہے تو ضبط کرنے کے باوجود آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں لیکن وہ

دوسری طرف اسی روز اتفاقاً سورج کو گرہن لگ جاتا ہے اور کسی مسلمان کی زبان سے یہ الفاظ نکل جاتے ہیں کہ سورج کو گرہن ابراہیم کی وفات سے لگا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اس کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں :

" سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ انہیں کسی کی موت یا حیات پر گرہن نہیں لگتا۔ اس لئے جب تم دیکھو کہ ان دونوں میں سے کسی کو گرہن لگا ہے تو مسجدوں میں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔"

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دین کے معاملہ میں کس قدر سخت تھے اگر کوئی دنیا دار انسان ہوتا تو اس شخص کی تصدیق کرتے ہوئے کہہ دیتا کہ ہاں سورج کو گرہن میرے بیٹے کی وفات کے باعث لگا ہے یا کم از کم خاموش رہتا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ایسی بات سنی جو واقعہ کے برخلاف تھی تو گو اس سے آپ کی بڑائی ظاہر ہو رہی تھی۔ لیکن آپ نے فوراً اس کی تردید کر دی اور صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ سورج اور گرہن کا تعلق کسی شخص کی موت و حیات سے قطعاً نہیں ہوتا۔

ایام طفولیت کی یاد

اسی ضمن میں ہم بعض اور پُر اثر واقعات کا ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حب وطن کے جذبہ پر روشنی پڑتی ہے

ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وطن والوں نے آپ کی مخالفت کرنے اور آپ پر ظلم و
ستم توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور انہی کے مظالم کے باعث حضورؐ کو مکہ
سے ہجرت کرنی پڑی لیکن اس کے باوجود آپ کا دل اس بستی کی محبت سے پوری طرح
معمور رہا جہاں آپ نے اپنا بچپن اور جوانی کا زمانہ گذارا تھا۔ جنگ خیبر کے بعد جب
آپ یہودیوں پر پوری طرح قابو پا چکے اور آپ کا رعب وداب سارے قبائل عرب
پر بیٹھ گیا تو یکایک آپ کے دل میں مکہ جانے اور اپنے مولد و منشا کی زیارت
کرنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ یہ خواہش اس قدر شدت سے پیدا ہوئی کہ
آپ اس پر قابو نہ پا سکے اور آپ نے مکہ جانے اور خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کا
مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے صحابہ کو کوچ کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ آپ کا
ارادہ تھا کہ عمرہ کرنے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد آپ اپنے آباؤ اجداد کے
ان مکانات کو دیکھیں گے۔ جہاں پہلی بار آپ نے آنکھیں کھولیں۔ جہاں آپ نے
کھیلیں اور دوستوں کے ساتھ لڑکپن کی زندگی گزاری۔ جہاں آپ جوان ہوئے
جہاں آپ کو خدیجہؓ جیسی وفا شعار اور محبت کرنے والی بیوی کے ساتھ زندگی بسر
کرنے کا موقعہ ملا جس جگہ بیٹھ کر آپ نے اعلاء کلمۃ الحق کا اہم اور کٹھن فریضہ ادا
کیا اور آخر کار وہاں سے انتہائی مجبوری کی حالت میں ہجرت کرنی پڑی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس واقعہ سے دو سال قبل قریش سے
ایک معاہدہ کر چکے تھے جس کے مطابق آپ خانہ کعبہ کی زیارت کر سکتے تھے

اور قریش کو آپ کے روکنے کا اختیار نہ تھا۔ جونہی آپ کا حکم ملا صحابہ نے
روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ چند روز بعد آپ دو ہزار کی عظیم جمعیت
ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ اس زمانہ کے لحاظ سے یہ ایک غیر معمولی بات تھی کہ کسی
ایک شہر سے اتنی بھاری جمعیت عمرہ یا حج کے لئے مکہ روانہ ہو۔ یہی وجہ ہے
جب اہل مکہ نے آپ کی اور آپ کے صحابہ کی خبر سنی تو انہیں سخت تشویش لاحق
اور وہ سوچنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتنی بھاری جمعیت لانے سے
مطلب ہے اور انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان ان پر ٹوٹ نہ پڑیں۔ لیکن چونکہ
حدیبیہ کے موقع پر وہ یہ معاہدہ کر چکے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
آپ کے ساتھیوں کو آئندہ سال عمرہ کرنے کی اجازت دے دیں گے اس لئے انہوں
نے یہی فیصلہ کیا کہ آپ سے تعرض نہ کیا جائے اور آپ کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت
دے دی جائے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور اس سرزمین
پر آپ کے پاؤں پڑے جہاں آپ نے بچپن کی جوانی اور کہولت کا زمانہ گذارا
تو آپ کے سامنے پرانے واقعات ایک ایک کر کے آنے لگے۔ یتیمی اور غربت
کا زمانہ آپ کے سامنے آیا۔ خدیجہ سے شادی اور آرام اور چین کی زندگی کے دن
آپ کی نظروں کے سامنے آئے۔ پھر وہ زمانہ بھی آپ کی نظروں کے سامنے
جب آپ نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا اور مکہ ہر فرد و بشر آپ کے درپے

اُتار ہو گیا۔ پھر کفار کے بے پناہ مظالم کی تصویر آپ کی آنکھوں کے سامنے آتی چلی گئی ان میں سے ایک ایک نظارہ آپ کے دل کو بے چین کر دینے کے لئے کافی تھا۔ آپ اپنی نظروں کے سامنے اس دن کا نظارہ بھی لائے جب آپ کی والدہ کی وفات ہوئی تھی۔ اس وقت آپ کی عمر اتنی چھوٹی تھی کہ آپ کو اس سانحہ عظیمہ کا احساس بھی نہ تھا۔ آپ کے ذہن میں اپنی والدہ کی دھندلی سی تصویر بھی نہ تھی۔ آپ کی والدہ نے ایسے وقت میں وفات پائی تھی جبکہ آپ ان کی محبت اور شفقت سے پوری طرح لطف اندوز بھی نہ ہوئے تھے آپ کی شدید خواہش تھی کہ اس گھر کی زیارت کریں جہاں آپ نے پہلی بار آنکھیں کھولیں اور ان گھروں پر ایک نگاہ ڈالیں۔ جہاں آپ نے شیر خواری اور طفولیت کا زمانہ گذارا۔ شاید انہیں دیکھنے ہی سے آپ کے بے چین اور مضطرب دل کو کسی قدر تسکین حاصل ہو سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اب تک کی زندگی مصائب و آلام میں گذری تھی۔ بچپن میں یتیمی اور بے کسی و بے بسی کے دوریں سے گذرنا پڑا۔ نوجوانی کے زمانہ میں غربت نے اپنا سایہ ڈالے رکھا۔ کہولت کے زمانہ میں کفار کے مظالم نے آپ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ جب تک مکہ میں رہے ان کے جور و ستم کا براہ راست نشانہ بنے رہے۔ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو آئے دن کے حملوں اور خطرناک سازشوں نے آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ لیکن اب آپ کے ساتھ آپکے متبعین کی عظیم الشان جماعت تھی جنھوں نے یہ عہد کیا ہوا تھا کہ وہ اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ مگر اپنے محبوب آقا

پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ چند ہی برس کے اندر ایسا انقلاب برپا ہو جانا اہل مکہ کے بہت ہی حیران کن تھا۔ اور ان کی عقلیں یہ بات سمجھنے سے قاصر تھیں کہ وہ شخص جو رات کی تاریکی میں مکہ سے جان بچا کر نکلا تھا اور اس کے ساتھ صرف ایک جان نثار ساتھی کے علاوہ اور کوئی بھی نہ تھا، وہ دیکھتے دیکھتے۔ اس قدر عظیم الشان طاقت اور قوت کا مالک کیسے بن گیا اور اس نے اپنے گرد جان نثار اور وفا شعار ساتھیوں کی ایک عظیم جمعیت کیسے اکٹھی کر لی۔ ان کی نظروں سے یہ بات اوجھل تھی کہ یہ سب کرشمہ نبوت کا ہے۔ نبوت ایک عظیم الشان چیز ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

بالآخر آفتاب رسالت کے غروب ہونے کا وقت آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کی رسالت کا فرض ادا کر دیا۔ تمام عرب کو ایک سلک میں منسلک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے دین کو کامل کر دیا۔ اب جب رسالت اپنا فرض ادا کر چکی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اپنے پاس بلانے اور جوار رحمت میں جگہ دینے کا ارادہ کر لیا۔

مدینہ منورہ میں ایک عجیب قسم کی اداسی چھائی ہوئی ہے مسلسل تیئس سال تک فریضۂ رسالت ادا کرنے کے بعد رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر علالت پر دراز ہیں۔ آپ کو بخار چڑھا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہ ایک نئی چیز تھی کیونکہ انھوں

نے اس سے پہلے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علالت کی حالت میں نہ دیکھا تھا۔ اسی لئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیماری لمبی ہوتی چلی گئی اور آرام کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تو ان کے دلوں میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا۔ کئی دن تک مسلسل بستر پر پڑے رہنے کے بعد ایک دن فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ مسلمانوں کی نظر جونہی اپنے پیارے آقا پر پڑی ان کے دل تشکر و امتنان کے جذبات سے بھر گئے ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ہر شخص کو یہ یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب شفا پا جائیں گے اور کچھ ہی دن بعد وہ آپ کی پر معارف باتوں اور مجالس سے حسب سابق لطف اندوز ہو سکیں گے۔ لیکن ابھی شام بھی نہ ہوئی تھی کہ مدینہ کی فضا آہوں اور سسکیوں سے بھر گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے اپنے جوار رحمت میں بلا لیا تھا اور فرشتے آپ کی مقدس روح کو لے کر ملاء اعلےٰ کو پرواز کر چکے تھے۔

یہ عظیم الشان سانحہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع طور پر وقوع پذیر ہوا کہ مسلمانوں کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ ان کا پیارا آقا انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر رخصت ہو چکا ہے حضرت عمر بن خطاب مسجد میں تلوار کھینچے ہوئے یہ کہہ رہے تھے:۔

"بعض منافقین کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ خدا کی قسم! وہ ہرگز فوت نہیں ہوئے بلکہ وہ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جس طرح حضرت موسےٰ بن عمران تشریف لے گئے تھے۔ وہ عنقریب

واپس آئیں گے اور جو منافقین آپ کی وفات کی خبر مشہور کر رہے ہیں ان کے ہاتھ پیر قلم کریں گے۔"

اسی دوران میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی تشریف لے آئے حضرت عمرؓ ننگی تلوار ہاتھ میں لئے لوگوں کو ڈرا دھمکا رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بھی یہ نظارہ دیکھا مگر آپ کچھ نہ بولے بلکہ سیدھے حجرے میں چلے گئے۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعش مبارک رکھی ہوئی تھی آپ نے چہرۂ مبارک پر سے کپڑا اٹھایا اور پیشانی کو چوما۔ پھر باہر آکر ایک تقریر کی جس میں فرمایا:-

"اے لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرستش کرتا تھا۔ وہ سن لے کہ محمدؐ تو فوت ہو گئے لیکن جو شخص اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتا تھا تو اسے یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ زندہ ہے اُسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی:-

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝

"محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں۔ اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں۔ تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائیگا۔ تو وہ سن لے کہ وہ اللہ کو ذرا سا بھی ضرر نہیں پہنچا سکیگا اور عنقریب اللہ شکر گ

بندوں کو نیک بدلہ دے گا۔

اگر اس وقت مسلمانوں پر بجلی گر پڑتی اور ان کے جسموں کو جلا کر راکھ کر دیتی تو یہ بات ان کے لئے یہ آیت سننے سے آسان تھی جس نے انہیں اپنے محبوب آقا کی وفات کا یقین دلا دیا تھا۔ اسی کا اثر تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق کی باتیں سن کر جب حضرت عمر فاروق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا یقین ہو گیا تو ان کی ٹانگیں ان کا بوجھ نہ سہار سکیں اور وہ بے سدھ ہو کر زمین پر گر پڑے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعش مبارک حجرہ میں چارپائی پر رکھی ہوئی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عاشق جنہیں آپ کے بغیر ایک لمحہ بھی چین نہ پڑتا تھا ایک ایک کر کے حجرہ میں داخل ہو رہے تھے ان کے دل رنج والم سے بیقرار تھے اور آنکھیں اپنے محبوب آقا کے فراق میں آنسو بہا رہی تھیں لیکن انہیں کوئی ڈھارس دینے والا نہ تھا۔

دور دراز لیہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اس دنیا سے اپنے رب کے حضور تشریف لے گئے لیکن اپنے پیچھے کتاب اللہ اور سنت نبوی کی صورت میں ایسی چیزیں چھوڑ گئے کہ اگر مسلمان ان پر پوری طرح عمل پیرا ہوں تو کچھ ہی عرصہ میں کل روئے زمین کے وارث بن جائیں اور دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک انہی کی عملداری قائم ہو جائے۔ لیکن اگر وہ اس عظیم الشان خزانے سے

بے پروائی برتیں گے اور اس کی قدر نہ کریں گے تو زمین اللہ کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا۔ اُسے اس کا وارث بنا دے گا۔

سرورِ کائناتؐ

بطلِ جلیل کی حیثیت سے

بطلِ جلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک بطلِ جلیل تھے بطل سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ آپ بہت بڑے جنگجو اور ماہر شہسوار تھے اور میدان جنگ میں دشمنوں کے مقابلے میں بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تلوار یا نیزہ لے کر کبھی براہ راست دشمن کا مقابلہ نہیں کیا اور نہ کبھی ان معنوں میں سپہ سالار کے فرائض سرانجام دیئے کہ آپ تلوار کھینچے ہوئے سب سے آگے ہوں اور فوج آپ کے پیچھے ہو جنگوں میں آپ نے بہت ہی کم حصہ لیا ہے بطل جلیل آپ ان معنوں میں تھے کہ آپ نے اعلاء کلمۃ الحق اور توحید کی تبلیغ کی خاطر وہ مصائب و آلام اور مظالم برداشت کیئے جن کا برداشت کرنا ہر کس و ناکس کے بس میں نہ تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے پاس وہ دین لے کر آئے تھے جو عقائد، تقلید اور رسوم و رواج کی اس قدیم عمارت کو جو صدیوں سے قائم چلی آرہی تھی، منہدم کر دینا چاہتا تھا اسلام مساوات کا زبردست داعی تھا اور اسے قبول کرنے کے نتیجے میں قریش مکہ کو جو اپنے آپ کو تمام عرب میں سب سے زیادہ عالی نسب معزز اور مکرم سمجھتے تھے، اپنی برتری کے دعویٰ کو ترک کر کے دوسرے عام انسانوں کے ساتھ ایک سطح پر آنا پڑتا تھا۔ اس کی زد قریش کے دوسرے لوگوں کے علاوہ خود آپ کے اپنے رشتہ داروں پر بھی پڑتی تھی۔ اس صورت حال کا طبعی نتیجہ یہ تھا کہ آپ کی قوم اور خود آپ کے رشتہ دار آپ کی سخت مخالفت کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں نہ تو بتوں کی پرستش ترک کر کے خدائے واحد کے آگے سر جھکانا منظور تھا نہ وہ اپنے رسوم و رواج اور عقائد و خیالات کو جو صدیوں سے نسلاً بعد نسلٍ ان کے ذہنوں میں جمے ہوئے تھے ترک کرنے کے لئے تیار تھے اور نہ ہی انہیں برتری اور تفوق کے دعوے کو ترک کر کے دوسرے عام انسانوں کے ساتھ ایک سطح پر آجانا منظور تھا۔ انھوں نے نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت مخالفت کی بلکہ آپ پر شدید مظالم بھی ڈھانے شروع کر دیئے تاکہ آپ ان کی تاب نہ لا کر تبلیغ حق کے کام سے باز آجائیں اور وحدانیت کی تعلیم و تلقین چھوڑ دیں۔ لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکیلے ہونے کے باوجود ہمت نہ ہاری اور بڑی بے خوفی کے ساتھ ان عقائد کی تبلیغ کرتے رہے، جنھیں دوسرے لوگوں تک پہنچانے کے لئے

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا تھا۔ تمام عرب قبائل آپ کے مقابلے میں قریش کے ساتھ تھے اور وہ کفار مکہ کو آپ کے قتل کی ترغیبیں دیتے رہتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے استقلال میں خفیف سی جنبش بھی پیدا نہ ہوئی۔

ہم آپ کی سوانح اور سیرت کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح آپ کی قوم نے آپ کو مسلسل تین سال تک شعیب ابی طالب جیسی تنگ جگہ میں محصور رکھا اور کس طرح آپ نے محاصرہ کی یہ طویل مدت بڑے صبر و استقلال کے ساتھ گذاری حالانکہ آپ دیکھ رہے تھے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کس قدر سخت مصیبت اور اذیت میں گرفتار ہیں اور بھوک کے مارے وہ درختوں کی پتیاں اور جوتے کے چمڑے تک چبانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ تین سال کی طویل مدت کے بعد جب آپ کو اس ظالمانہ و سنگدلانہ محاصرہ سے رہائی ملی تو آپ اپنے غلام کے ساتھ اس امید میں طائف تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے لوگ ہی آپ کی باتوں پر کان دھریں اور انھیں قبول حق کی توفیق مل جائے۔ لیکن وہاں بھی آپ سے انتہائی ظالمانہ سلوک کیا گیا۔ وہاں کے سرداروں اور بڑے آدمیوں نے آپ کی اہانت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور لڑکوں نے پتھر مار مار کر آپ کی پنڈلیاں لہولہان کر دیں بالآخر آپ وہاں سے بھی مایوس ہو کر مکہ لوٹ آئے اور تبلیغ و اشاعت کا کام دوبارہ شروع کر دیا۔ تیرہ سال تک یہی حالت رہی نہ آپ توحید کی تبلیغ سے باز آتے تھے

اور نہ کفار کے مظالم میں کوئی کمی آتی تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یثرب کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دے دیا اور آپ اور آپ کے صحابہ مکہ کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے:۔

ایک امریکی کے قلم سے حضورؐ کی تعریف و توصیف

مشہور امریکی مصنف واشنگٹن ارونگ نے جو نویں صدی عیسوی کے اواخر میں اسپین میں امریکہ کا سفیر رہ چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے اسباب و بواعث پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے دعوے کے اسباب و بواعث کیا تھے کیا اس ذریعے سے دولت و ثروت حاصل کرنا آپ کا مقصد تھا؟ لیکن خدیجہ سے شادی کر لینے کے بعد تو دولت و ثروت حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ خود آپ کی اپنی یہ حالت تھی کہ وحی کے نزول سے پہلے بھی آپ نے کبھی مال و دولت کی طرف رغبت ظاہر نہ کی تھی۔ کیا آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح اپنے ہم قوم لوگوں میں عزت و تکریم اور بڑے بڑے مرتبے حاصل کئے جائیں؟ لیکن آپ کو تو نبوت کے دعوے سے پہلے بھی ہر شخص عزت و تکریم کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ آپ تمام مکہ میں اپنے صدق و امانت کے باعث مشہور تھے۔ علاوہ بریں آپ

آپ قریش میں سے تھے جو عرب کا سب سے زیادہ معزز قبیلہ شمار ہوتا تھا۔ کعبہ کی دربانی کا اہم منصب پشتہا پشت سے آپ کے خاندان میں چلا آتا تھا۔ اس سے بڑھ کر بلند مرتبہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن نبوت کا دعوےٰ کر کے آپ نے خود اپنی عزت کو خاک میں ملا لیا۔ مکہ کا ہر فرد بشر آپ کا دشمن اور آپ کے درپے آزار ہو گیا اور خود آپ کے خاندان والے آپ کے سخت مخالف بن گئے

کیا کسی قسم کا لالچ آپ کو دعوےٰ نبوت کرنے پر مجبور کر رہا تھا؟ لیکن اس کا جواب بھی سراسر نفی میں ہے۔ کیونکہ ہر ایک جانتا ہے کہ ابتداء میں آپ نے اپنی تبلیغ کو مخفی رکھا تھا اور کئی سال تک آپ اسی طرح مخفی طور پر کام کرتے رہے۔ اس کے بعد جوں جوں آپ نے تبلیغ کے کام کو وسعت دینی شروع کی آپ کی مخالفت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ کفار مکہ نے آپ کے مقابلے میں استہزاء و تمسخر سے کام لینا اور تبلیغ کو بند کرنے کے لئے آپ پر اور آپ کے متبعین پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیا۔ ان مظالم کی تاب نہ لا کر آپ کے بعض متبعین اور اہل خاندان مکہ سے بھاگ کر دوسرے علاقوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ بالآخر خود آپ کو بھی ہجرت کر کے مدینہ جانا پڑا۔ اگر آپ کا کاروبار دجل و فریب پر مبنی تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اتنے لمبے عرصہ تک اسے کیوں اختیار رکھا؟ جبکہ اس کے نتیجے میں آپ کو اپنے کل دنیوی مال و متاع اور عزت و وجاہت سے ہاتھ دھونا پڑا تھا اور وہ بھی ایسی عمر میں جبکہ انسان کے قویٰ میں اضمحلال پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ایک بار اپنے مال و متاع کو کھونے کے بعد

بعد دوبارہ کام شروع کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا۔

آپ نے چالیس برس کی عمر میں نبوت کا دعوے کیا اور اس کے بعد مکہ میں مزید تیرہ سال گذارے آپ اس سے پہلے اچھے مرفع الحال تاجر تھے۔ لیکن جب آپ نے مکہ سے ہجرت کی تو آپ کے پاس کچھ بھی موجود نہ تھا آپ کو اس بات کا سان گمان بھی نہ تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب آپ کو تمام عرب میں غلبہ حاصل ہو جائیگا مدینہ میں آپ کا منتہاء مقصود یہ تھا کہ ایک مسجد بنا کر وہاں اپنے رب کی عبادت کریں۔ اور وہاں کے باشندوں کو محبت اور پیار کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کر کے انھیں بھی خدائے واحد کا پرستار بنادیں مصیبت کے ایام کے بعد جب فتوحات کا زمانہ آیا اور آپ کو تمام عرب پر غلبہ نصیب ہو گیا تو دیگر فاتحین کے برعکس آپ نے تکبر اور فخر و غرور کا ادنیٰ سا مظاہرہ بھی نہ کیا اور اسی طرح لوگوں سے منکسر المزاجی سے پیش آتے رہے جس طرح پہلے پیش آیا کرتے تھے

کامیابی و کامرانی کے ایام آپ کو ہجرت کے بعد میسر آئے تھے۔ لیکن اس دوران میں بھی حالات ایک جیسے نہ رہتے تھے۔ کبھی فتح و نصرت آپ کے قدم چومتی تھی اور کبھی ناکامی کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا لیکن نہ ہی فتوحات نے آپ کو مغرور و متکبر بنایا اور نہ ناکامیوں نے آپ کی ہمت پست کی

<u>اگر محمدؐ نہ ہوتے . . .</u>

مکہ کے برعکس مدینہ میں آپ کی حیثیت ایک با اختیار حاکم کی تھی۔ اس لحاظ

ضروری تھا کہ آپ نظم و نسق کے قوانین بھی مرتب فرماتے چنانچہ آپ اس سے ایک لمحہ
کے لئے بھی غافل نہ رہے اور امت محمدیہ کے سامنے ایک ایسا لائحہ عمل پیش کیا
جو امن اور جنگ دونوں زمانوں میں ان کے لئے ہر لحاظ سے کارآمد تھا مجھے دنیا
میں اور کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جس نے اپنی زندگی میں اتنے عظیم الشان کام
سرانجام دیئے ہوں جتنے آپ نے انجام دیئے۔ آپ نے فریضۂ رسالت کو پورے
طور پر ادا کیا اور تمام کاموں کو جو آپ نے اپنے ذمہ لئے تھے اپنی زندگی ہی میں پورا
کر دیا۔ دین کو کامل کیا۔ ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھی اور اس کے قواعد و ضوابط وضع
کئے۔ ایک ایسی امت پیدا کی جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا میں ایک انقلاب برپا
کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ یہ تمام کام بہت ہی قلیل
مدت میں سرانجام دیئے گئے۔ آپ نے لوگوں کے سامنے ایک بالکل نیا دین پیش
کیا جو اہل عرب کے اعتقادات اور خیالات کے یکسر مخالف تھا اور وہ اسے آسانی
سے قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ پھر اس قلیل مدت میں آپ نے نہ صرف یہ کہ
عربوں کے اعتقادات ہی بدل دیئے بلکہ ان کے نفوس میں بھی تغیر پیدا کر دیا اور
اس میں کسی بھی شبہ کی گنجائش نہیں کہ انسانی نفس کو ایک نئے قالب میں ڈھالنا
کسی شخص کو تبل کی پرستش سے روک دینے سے بدرجہا مشکل ہے۔ آپ نے
انہی عربوں میں سے جو پہلے وحشیانہ اور بدویانہ زندگی بسر کرنے کے خوگر تھے،
ایسے انسان پیدا کئے جو دنیا کے عظیم انسانوں کی صف اول میں شمار کئے جاتے

کے قابل ہیں۔ اگر محمد نہ ہوتے تو ان لوگوں کی کوئی حیثیت ہی نہ ہوتی اور آج دنیا ان کے ناموں اور کارناموں سے قطعاً ناواقف ہوتی۔

اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ اپنی قوم میں یقیناً کچھ نہ کچھ مرتبہ ضرور رکھتے تھے لیکن قومیں بھی بذات خود کچھ نہیں ہوتیں۔ اقوام عالم میں اس قوم کی کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے جو باہم متحارب خاندانوں اور قبائل میں بٹی ہوئی ہو۔ اور ہمسایہ اقوام بھی اسے نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہوں۔ انہی عناصر میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عظیم امت پیدا کی جس نے دیکھتے دیکھتے دنیا کا کثیر حصہ فتح کر کے وہاں اسلام کا پرچم لہرا دیا اور دنیا کو ایسی عظیم الشان تہذیب و تمدن سے روشناس کرایا جس نے انسانی تاریخ کے دھارے کا رخ ہی تبدیل کر دیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہر قابل کے چننے، لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے اور دل و جان سے اپنی اطاعت پر آمادہ کرنے میں کمال حاصل تھا۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ آپ اپنے صحابہ سے مغرور و متکبر فاتح اور خود پسند سردار جیسا سلوک نہ کرتے تھے بلکہ شفیق باپ اور مہربان معلم جیسا سلوک کرتے تھے۔ ہجرت کے معاً بعد آپ نے مہاجرین اور انصار میں مواخات کرا دی تھی اور ان کے لئے یہ لازم قرار دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد اور ایک دوسرے سے پورا پورا

تعاون کریں۔ اور ہر شخص صرف اپنے فائدے کے لئے نہیں بلکہ بنی نوع انسان کے فائدے کی خاطر کام کرے۔

مدینہ میں منافقین کی ایک جماعت تھی جس کا سرگروہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ یہ لوگ بظاہر مسلمان تھے لیکن درپردہ مسلمانوں سے سخت دشمنی رکھتے تھے اور انھیں زک دینے کے لئے موقعہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی خفیہ کارروائیوں کا اچھی طرح علم تھا لیکن آپ درگذر سے کام لیتے تھے اور ان سے ہمیشہ نرمی اور محبت و احسان کا سلوک کرتے رہتے تھے جب مسلمان غزوۂ بنو مصطلق سے واپس آرہے تھے تو راستے میں انھوں نے ایک چشمے پر قیام کیا۔ اتفاق یہ ہوا کہ چشمے سے پانی لیتے ہوئے دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو گیا ان میں سے ایک حضرت عمر بن خطاب کا خادم تھا اور دوسرا انصار کا ایک حلیف سنان بن دبر نامی تھا۔ جھگڑے کے دوران میں سنان نے انصار کو اپنی مدد کے لئے آواز دی اور حضرت عمر کے خادم نے مہاجرین کو بھی امداد کے لئے پکارا۔ اگرچہ یہ دو آدمیوں کا انفرادی تنازعہ تھا لیکن عبداللہ بن ابی سلول نے اسی کو فتنہ و فساد کا ذریعہ بنا لیا اور انصار کو کہنے لگا کہ تم نے ان مہاجرین کو پناہ دے کر اپنے لئے تباہی کا دروازہ کھول لیا ہے اور ساتھ ہی یہ فقرہ بھی کہا (جو قرآن کریم میں بھی مذکور ہے)

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۔

جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو وہاں کا سب سے معزز آدمی (اس سے)

مراد خود اس کی اپنی ذات تھی) وہاں کے سب سے زیادہ ذلیل آدمی (اس سے
نعوذ باللہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مراد لیتا تھا) کو نکال دے گا۔"

عبداللہ بن ابی بن سلول کی اس فتنہ پردازانہ گفتگو کی خبر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو بھی ہو گئی جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سخت صدمہ ہوا۔ اس وقت
حضرت عمرؓ حضور کے پاس بیٹھے تھے انھوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں"
لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

"نہیں، اگر ایسا ہوا تو لوگ کہیں گے کہ محمد نے خود اپنے ساتھیوں کو قتل
کرنا شروع کر دیا۔"

تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خیال سے کہ لوگوں کے
دلوں پر اس واقعہ سے کوئی برا اثر پیدا نہیں ہوا اور منافق اپنی ریشہ دوانیوں میں کامیاب
نہ ہو سکیں، اُسی وقت کوچ کرنے کا حکم دے دیا، حالانکہ اس سے قبل حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام اس قدر شدت کی گرمی میں عین دوپہر کے وقت کبھی سفر نہ کرتے تھے۔
سارا سفر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی تیزی سے طے کیا اور دن رات سفر
کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عفو و درگزر کی پالیسی کا اثر
یہ ہوا کہ ایک طرف تو عبداللہ بن سلول نے آپ کے پاس آکر قسم کھا کر کہا کہ اس نے
ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ دوسری طرف خود اس کے بیٹے نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس آکر کہا کہ اگر آپ میرے باپ کو قتل کرنا چاہیں تو کسی اور کی بجائے یہ خدمت میرے سپرد کیجئے۔ میں خود اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کی گردن اڑا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"نہیں ہمارا اسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں ہے اس کے برعکس ہم اس سے نرمی سے اور محبت و احسان کا سلوک کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ رہے گا"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس حسن سلوک کا خود عبداللہ بن ابی بن سلول کے ساتھیوں پر بے حد اثر ہوا۔ اور بعد میں جب کبھی وہ ان کے سامنے کوئی فتنہ انگیز بات کرتا تو وہ خود اسے شرمندہ کرتے اور کہتے:۔

"تمہیں شرم نہیں آتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو تم سے یہ حسن سلوک کیا اور تم احسان مند ہونے کی بجائے الٹا آپ کے خلاف فتنہ انگیزی کی باتیں کرتے ہو"

یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:۔

"عمرؓ! اب تمہارا کیا خیال ہے؟ خدا کی قسم! جب تم نے مجھے عبداللہ بن ابی بن سلول کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا اگر میں تمہارے مشورہ کی تعمیل کرتے ہوئے اسے قتل کرا دیتا تو ایک فتنہ برپا ہو جاتا لیکن اب یہ حالت ہے کہ اگر میں اس کے ساتھیوں کو اشارہ کروں تو وہ خود اسے قتل کر دیں"

حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سن کر جواب میں کہا:۔
واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر کام میرے کام سے زیادہ بابرکت ہوتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انصار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہوازن کی غنیمتوں میں سے قریش کو اور دیگر قبائل عرب کو تالیفِ قلوب کی خاطر بڑے بڑے عطیے مرحمت فرمائے تھے لیکن انصار کو کچھ مرحمت نہ فرمایا تھا۔ اس پر بعض انصار نے اپنے دل میں بُرا منایا اور اُن میں سے کسی نے تو زبان سے یہاں تک کہہ دیا کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور غنیمتیں قریش لے گئے۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بھی پہنچ گئی۔ آپ نے انصار کے سردار حضرت سعدؓ بن عبادہ کو بلایا اور فرمایا:۔
"مجھے معلوم ہوا ہے کہ انصار کے بعض لوگوں نے مال غنیمت کے سلسلے میں اعتراض کیا ہے یہ کیا بات ہے؟"
سعدؓ نے جواب دیا:۔
یا رسول اللہ! میں تو اپنی قوم کا ایک فرد ہوں۔ اگر کسی شخص نے کو

نامعقول بات کہہ دی ہے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اچھا تمام انصار کو جمع کرو"

جب انصار جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے

اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا:۔

اے انصار! مجھے تمہاری کچھ باتوں کا پتہ چلا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ تمہیں میرے خلاف کوئی شکایت ہے۔ اے انصار! کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ تم

گمراہ تھے میرے ذریعے اللہ نے تمہیں ہدایت دی۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے

دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہارے درمیان الفت پیدا کر دی۔ تم

غریب تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہیں مالدار کر دیا؟

انصار نے جواب دیا:۔

"یقیناً اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بہت بڑا احسان اور فضل ہے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اے انصار تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟"

انصار نے کہا:۔

"یا رسول اللہ! ہم بجز اس کے کیا جواب دیں کہ اللہ اور اس کے ر

رسول کا ہم پر بہت بڑا احسان اور فضل و کرم ہے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اے انصار! اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور یقیناً یہ بات خلاف واقعہ نہیں ہو گی کہ آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی تھی ہم نے آپکی تصدیق کی ہاں آپکی قوم نے آپکا ساتھ چھوڑ دیا تھا ہم نے آپکی مدد کی آپکی قوم نے آپکو نکال دیا تھا ہم نے آپکو پناہ دی آپ غربت کی حالت میں ہمارے پاس آئے ہم نے آپ کی دلداری کی

دو اے انصار! تم نے تھوڑے سے دنیوی مال کی خاطر اپنے دلوں میں بدگمانی کو جگہ دی قریش نئے نئے اسلام لائے ہیں۔ میں تالیف قلوب کی خاطر انھیں مال دینا چاہتا تھا تاکہ وہ اسلام پر پختہ ہو جائیں۔ تمھیں میں نے اس لئے مال نہیں دیا کہ میں جانتا تھا تم اسلام پر پختہ ہو اور کوئی طاقت تمھیں متزلزل نہیں کر سکتی اے انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ دوسرے لوگ اپنے ساتھ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول کو لے جاؤ ؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر دنیا کے سارے لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسرے راستے پر تو میں انصار ہی کے اختیار کردہ راستے پر چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما اور انصار کے بیٹوں پر رحم فرما"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پر درد تقریر سن کر انصار اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور وہ کہنے لگے :۔

" ہم رسول اللہ کی تقسیم پر دل وجان سے راضی ہیں۔"

اعمال وافعال

رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم تواضع، فروتنی، انکساری، حسن خلق اور نرمی و رحم دلی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ برابر اپنے صحابہ کو یہ بات ذہن نشین کراتے رہتے تھے کہ جہاں تک دنیوی امور کا تعلق ہے مجھ میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ آپ کبھی یہ بات برداشت نہ کرتے تھے کہ آپ کے صحابہ آپ کے سامنے اس طرح مودبانہ کھڑے ہوں جس طرح لوگ بادشاہوں کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ فخر و غرور آپ میں نام کو بھی نہ تھا۔ تواضع اور فروتنی کا یہ عالم تھا کہ کپڑوں میں پیوند اپنے ہاتھ سے لگا لیتے تھے اور جوتیاں اپنے ہاتھ سے درست کر لیتے تھے۔ گھر کا کوئی کام کرتے سے آپ کو عار نہ تھا۔ جب آپ اس دار فانی سے رخصت ہوئے تو اپنے اہل و عیال کے لئے کوئی مال اور جائداد چھوڑ کر نہ گئے۔ حتیٰ کہ فدک میں آپ کا جو حصہ تھا اس کے متعلق بھی (بروایت حضرت ابوبکر صدیق) وصیت کر گئے تھے کہ اسے بیت المال میں لوٹا دیا جائے۔

یہ امر ضروری تھا کہ مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاست میں کچھ تبدیلی واقع ہوتی۔ مکہ میں آپ کی حیثیت ایک مصلح کی تھی جو اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے سر توڑ کوشش کرتا ہے۔ لیکن مدینہ میں آپ بیک وقت شارع بھی تھے اور قائد بھی حاکم بھی تھے اور رسول بھی

اس تبدیلی کے اثبات قرآن کریم کی آیات میں بھی معلوم ہوتے ہیں۔ جو آیات مکہ میں نازل ہوئیں ان میں ایک حد تک موسیقی کا اثر پایا جاتا ہے اور اس لحاظ سے یہ آیات جذبات واحساسات کو ابھارنے میں بھی بڑی مدد دیتی ہیں لیکن مدینہ میں نازل ہونے والی آیات میں منطق کا اثر غالب ہے۔ اس کے علاوہ مکہ میں نازل ہونے والی آیات بالعموم چھوٹی ہیں اور مدینہ میں نازل ہونے والی آیات طویل۔

مسئلہ ازدواج اور غلامی

اسلام سے قبل عرب میں بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی اور ہر شخص جتنی چاہے شادیاں کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک شخص بیک وقت دس دس بیویاں اپنے پاس رکھ لیتا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار سے زیادہ شادیاں کرنے کی ممانعت کردی۔ لیکن اس کے لئے بھی آپ نے خاص شرائط عائد کردیں مثلاً یہ کہ ایک سے زیادہ بیویاں اُسی وقت کی جائیں جب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو اور خاوند کی مالی حالت ایسی اچھی ہو کہ وہ ایک سے زیادہ بیویوں کے اخراجات برداشت کر سکتا ہو اور سب سے اہم شرط یہ رکھی کہ وہ ان کے درمیان پورا پورا انصاف رکھ سکے۔

یہی حال مسئلہ غلامی کا تھا۔ آپ سے پہلے غلام بہت مصیبت کی زندگی گزارتے تھے۔ لیکن آپ نے اگر مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے غلاموں سے بہت

نرمی اور شفقت و محبت کا سلوک کریں۔ غلاموں کی آزادی کو آپ نے اللہ تعالےٰ کے تقرب کا بہت بڑا ذریعہ قرار دیا اور مسلمانوں کو غلام بنانے کی تو قطعی ممانعت کر دی۔

قوتِ قدسی کا کمال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے صحابہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک اُمت ہی پیدا نہیں کی بلکہ اس اُمت میں ایسے عظیم القدر انسان بھی پیدا کئے جن کی مثال گذشتہ زمانہ میں کہیں بھی نہیں مل سکتی۔ کونسی امت اور کونسی قوم ایسی ہے۔ جس نے ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے انسان پیدا کئے ہوں ان دونوں نے خلافت کا بار انتہائی نازک حالات اور سخت گھڑیوں میں اپنے اوپر لیا اور امت کی بہبودی کی خاطر اپنی جان، صحت اور اہل وعیال کی قربانی پیش کی اور اس طرح انھوں نے حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد رونما ہونے والے فتنۂ ارتداد کو جس طرح دور کیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے دعوئ نبوت سے قبل ایک معمولی تاجر تھے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے نتیجے میں آپ کے اندر ایک نئی روح سرایت کر گئی اور آپ بالکل ایک نئے انسان بن گئے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی جانشین تھے اور اس حیثیت سے آپ پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں انھیں آپ نے اس خوش اسلوبی سے سرانجام دیا کہ دنیا حیران و ششدر رہ گئی۔ لیکن ہمارے تعجب کی انتہا نہیں رہتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ نے یہ عظیم الشان کام کسی سابقہ استعداد و تجربہ کے بغیر سرانجام دیئے۔ آپ کو سان وگمان بھی نہ تھا کہ آپ کو خلافت کے لئے چنا جائے گا۔ اسی لئے جب یہ ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی تو دنیا نے دیکھ لیا کہ آپ اس کے ہر طرح اہل تھے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس دنیا اپنی پوری آب و تاب اور شان و شوکت کے ساتھ آئی لیکن آپ نے اسے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ لعل و جواہر، مال و متاع بیش قیمت سواریاں غلام اور لونڈیاں غرضیکہ دنیا کی کوئی نعمت نہ تھی۔ جو آپ کے سامنے مدینہ میں حاضر نہ کی گئی ہو لیکن آپ نے کسی چیز کی طرف بھی ہاتھ نہ بڑھایا اور نہ اپنے اہل و عیال کو اجازت دی کہ وہ ان چیزوں میں سے کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھائیں مسلمانوں کے اموال میں سے آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا اتنا ہی حصہ ہوتا تھا جتنا دوسرے عام مسلمانوں کا۔ آپ امیرالمومنین تھے۔ لیکن آپ نے فقراء کی طرح زندگی گذاری۔ آپ کے عہد میں ایک مرتبہ عرب میں قحط پڑا اور لوگوں کو فاقہ کی زندگی بسر

کرنی پڑی حضرت عمرؓ نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح فاقے برداشت کئے۔اس اس زمانے میں آپ کی خوراک تیل، سرکہ اور سوکھی روٹی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی صحت بے حد گر گئی اور آپ کے چہرہ کی رنگت سیاہ پڑ گئی۔ مسلمانوں نے یہ دیکھ کر آپ کو مشورہ دیا کہ آپ اپنی صحت کا خیال رکھئے اور بہتر غذا استعمال کیجئے۔ لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا:۔

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ دوسرے مسلمان تو فاقے کریں اور میں عمدہ عمدہ کھانے کھاؤں"

حضرت عمرؓ کی حالت میں یہ تغیر کس نے پیدا کیا؟ اور ریاضت اور محنت و مشقت کی عادت کس نے ڈالی؟ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

ان بڑے بڑے لوگوں سے قطع نظر کر کے جب ہم عام مسلمانوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں بھی ہم اسلام قبول کرنے کے بعد ایک عظیم تغیر پاتے ہیں۔ سردار قریش ابوسفیان کی بیوی "ہندہ" کے نام سے کون مسلمان ہے جو ناواقف ہو۔ یہ وہ عورت ہے جس نے جنگ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کی نعش کو چیر کر آپ کا جگر کچا چبایا تھا۔ بعد میں فتح مکہ کے موقع پر جب ابوسفیان نے اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھانا شروع کیا کہ چونکہ ان میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے اس لئے ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ ان سے صلح کر لیں تو یہ ہندہ ہی تھی جس نے آگے بڑھ کر اپنے خاوند کی داڑھی پکڑ لی اور لوگوں سے

کہا کہ اس احمق بڈھے کو قتل کر ڈالو۔ یہ ایک ذرا سے لشکر کو دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے تو اہل مکہ کو مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑا۔ اسلام قبول کرنے والے ان لوگوں میں "ہندہ" بھی شامل تھی۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس شدید معاندِ اسلام عورت کی حالت میں کیا تغیر رونما ہوا؟

معرکۂ یرموک اور ہندہ زوجۂ ابوسفیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو جاتی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ منتخب ہوتے ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی وفات پا جاتے ہیں اور خلافت حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آتی ہے۔

۱۵ھ کے ایام میں مسلمانوں کو یرموک کے میدان میں دشمن کی ایک بھاری جمعیت سے مقابلہ درپیش ہے۔ خالد بن ولید، جو جنگ احد کے موقعہ پر مسلمانوں کی ناکامی کا باعث بنے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، اسلامی لشکر کی ترتیب اور صف بندی میں مشغول ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد اپنے حریف رومیوں سے نصف سے بھی کم ہے اور سامان جنگ کے لحاظ سے بھی تہی دست ہیں۔

لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں اور پھریرے بلند ہونے لگے۔ ازد اپنے قبیلہ کے علم کے نیچے تھے۔ قریش اپنے علم کے نیچے غطفان قلب لشکر میں صف باندھے کھڑے تھے اور ہمذان اپنے نوجوانوں کے ساتھ لڑائی کے انتظامات میں مشغول تھے انصار اپنے سبز عماموں میں سب لوگوں کے لئے جاذب توجہ تھے۔

یکایک تکبیر کے نعرے بلند ہونے لگے۔ قراء نے قرآن کریم کی وہ آیات باواز بلند تلاوت کرنی شروع کیں۔ جن میں مومنوں کو جہاد پر ابھارا گیا ہے۔ ان آیات کو سن کر عربی لشکر میں ایک نئی روح سرایت کر گئی اور ان کے دل بے اختیار اپنے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہونے لگے۔ نوجوانوں کے چہروں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی اور صحابہ کے دلوں میں اپنے پیارے آقا اور محبوب رسول سے ملاقات کا جذبہ موجزن ہونے لگا۔

اسلامی لشکر کے ہمراہ عورتیں بھی تھیں۔ جو لشکر کے پیچھے کھڑی تھیں۔ ان میں بوڑھی عورتیں بھی تھیں اور جوان بھی۔ ان میں سے کسی کے ہاتھ میں چوب تھی۔ کسی کے ہاتھ میں تلوار اور کسی کے ہاتھ میں نیزہ۔ ان کا اس حالت میں کھڑا ہونا خالی از علت نہ تھا۔ ہتھیار لے کر کھڑے ہونے سے ان کے دو مقصد تھے اول یہ کہ اگر دشمن ان تک پہنچ جائیں تو وہ باقاعدہ ان کا مقابلہ کریں۔ دوم یہ کہ اگر ان کے خاوند اور بچے میدان جنگ میں پیٹھ دکھائیں تو وہ انھیں روکیں اور تلواروں کے ذریعے انھیں واپس میدان جنگ میں بھیجیں۔ ان عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی شامل

تھی اور ابو سفیان خود صفوں میں پھر پھر کر لوگوں کو جنگ کی ترغیب دلا رہے تھے اور صبر اور قربانی کی تلقین کر رہے تھے۔

جنگ کا آغاز

جنگ کا آغاز رومیوں کی طرف سے ہوا۔ عرب بھی مقابلہ پر آ گئے۔ سارا میدان اللہ اکبر کے نعروں سے گرجنے لگا۔ رومیوں کے میسرہ نے مسلمانوں کے میمنہ پر پوری قوت کے ساتھ حملہ کیا چونکہ رومی تعداد میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھے اس لئے مسلمان ان کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور پیچھے ہٹنے لگے۔ بالآخر اس جگہ تک پہنچ گئے جہاں عورتیں کھڑی تھیں اب ان کے آگے پیچھے دو آگیں روشن تھیں جن کے درمیان وہ گھرے ہوئے تھے۔ ایک جانب رومیوں کی آگ انہیں بھسم کرنے کے لئے لپکی آ رہی تھی اور دوسری جانب ان کی بیویوں اور بیٹیوں کی آگ پورے زور سے شعلہ زن تھی۔

مسلمانوں کو بھاگتے دیکھ کر ان کی عورتوں نے سامنے آکر انہیں شرم و غیرت دلانی شروع کی اور کہنا شروع کیا کہ :

" کہاں بھاگے جا رہے ہو ؟ کیا اپنے دین اور عزتوں کا تمہیں قطعاً پاس نہیں رہا۔ اگر آج تم نے بھاگنے کا ارادہ کیا تو تم ہمارے شوہر نہیں ہو سا اگر تم نے ہماری عزتوں کی حفاظت نہ کی تو آج سے تم ہمارے باپ نہیں ہو۔ جاؤ اور اسلام

ہم کے راستے میں مارے جاؤ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ہمارا اور تمہارا کوئی علاقہ نہیں ہے"

ہند بھی ان عورتوں کے درمیان کھڑی تھی۔ جب اُس نے اپنے شوہر ابوسفیان کو دیگر لوگوں کے ہمراہ بھاگتے دیکھا تو آگے بڑھ کر اس کی داڑھی پکڑ لی اور اسے زور سے کھینچ کر کہنے لگی:۔

"اللہ تجھے ذلیل کرے۔ تو بھی پیٹھ پھیر کر بھاگا جا رہا ہے؟"

یہی ہند تھی جو کچھ عرصہ قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید دشمن تھی لیکن آج اس نے عین میدان جنگ میں اسلام کی وہ خدمت سرانجام دی جسے بڑے بڑے بہادر بھی انجام نہ دے سکے۔

اپنی عورتوں کے ان غیرت دلانے والے فقرات سن کر مسلمان شرم کے مارے پانی پانی ہو گئے وہ اسی وقت میدان جنگ میں واپس پہنچے اور اس وقت تک مردانہ وار دلیری سے لڑتے رہے جب تک انہیں شکست فاش نہ دے لی۔

حرفِ آخر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محض ایک سادہ اور پاکیزہ دین ہی لے کر اس دنیا میں تشریف نہ لائے تھے بلکہ آپ نے ایک زندہ اور فعال امت بھی پیدا کی اور اس امت میں سے ایسے عظیم القدر انسان پیدا کئے جن کی مثال پردۂ عالم پر نہیں ملتی۔ آپ نے مسلمانوں میں ایسی روح پھونک دی جس نے ناممکن کام ان کے لئے ممکن بنا دیئے جب وہ جزیرۂ عرب سے دنیا کو فتح کرنے کے لئے نکلے تو فتح و نصرت باندی بنے ہوئے ان کے جلو میں چلنے لگی۔ کوئی پہاڑ ان کے راستے میں ایسا نہ آتا تھا جسے سر کر کے وہ اس کی چوٹی پر اسلامی جھنڈا نہ گاڑ دیتے ہوں۔ کوئی شہر ایسا نہ ہوتا تھا جسے فتح کر کے وہاں خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لئے مساجد نہ تعمیر کر دیتے ہوں وہ زندہ رہے تو اسلام کے لئے اور جان دی تو اسلام کی سربلندی اور اعلاءِ کلمۃ الحق کی خاطر انھوں نے زمین کے ہر خطہ کو اسلام کے نور سے منور کر دیا اور اسلام کا علم اقصائے چین سے لے کر

اقصائے مغرب تک لہرانے لگا۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انصار اور آپ کے خلفاء ہی تھے جنھوں نے انتہائی قلیل عرصے میں اپنی فتوحات کا دامن مشرق و مغرب تک وسیع کر دیا اور صرف فتوحات ہی حاصل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مفتوحہ علاقوں کو آزادی عدل و انصاف، اخلاق، اسلام اور قرآن کریم کی پاکیزہ تعلیمات سے روشناس کرا کے وہاں ایک عظیم الشان تغیر بھی رونما کر دیا۔ ہم اپنے آباؤ اجداد کے ان کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے جب تک یہ دنیا باقی ہے ان کا ذکر بھی باقی رہے گا اور ہر دور کے مسلمانوں کو ان کے فرائض کی یاد دلاتا رہے گا۔

از

شیخ محمد احمد پانی پتی

سوانح حیات

پیدائش

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ۹ ربیع الاوّل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۰ء کو پیر کے دن اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کے والد حضرت عبداللہ آپ کی وفات سے چند ماہ قبل وفات پا چکے تھے لہٰذا آپ کی کفالت آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے کی۔ انھوں نے ہی آپ کی والدہ حضرت آمنہ کے ایک خواب کی بنا پر آپ کا نام محمدؐ رکھا۔

رضاعت اور ایامِ طفولیت

اہلِ عرب کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے دیہاتی عورتوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے اس طرح ایک تو ان کی صحت اچھی رہتی تھی دوسرے ان کی زبان خالص اور بے عیب رہتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ روز تک تو آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے دودھ پلایا پھر قبیلہ بنی سعد کی ایک دایہ حلیمہ آپ کو اپنے ساتھ لے گئیں دو سال تک آپ قبیلہ بنو سعد بن طلیمہ کے گھر پرورش پاتے رہے۔ مدتِ رضاعت گزر جانے کے بعد حلیمہ آپ کو لے کر مکہ آئیں لیکن چونکہ ان دنوں مکہ کی آب وہوا خراب تھی اس لئے آپ کی والدہ کے

کہنے پر وہ آپ کو دوبارہ اپنے گاؤں میں لے آئیں اور آپ مزید دو سال تک حلیمہ کے پاس رہے۔

والدہ کی وفات

جب آپ چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ آپ کو ساتھ لے کر اپنے عزیز و اقارب سے ملنے اور اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کرنے یثرب تشریف لے گئیں۔ ایک ماہ تک وہاں قیام کرنے کے بعد جب واپس مکہ آ رہی تھیں تو ابواء کے مقام پر بیمار ہو کر انتقال کر گئیں اور وہیں دفن ہوئیں آپ اپنی خادمہ ام ایمن کے ساتھ مکہ واپس پہنچے اور دادا کے سایۂ عاطفت میں پرورش پانے لگے عبدالمطلب۔ آپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ جب خانہ کعبہ کا طواف کرتے تو آپ کو کندھے پر بٹھا لیتے جب خانہ کعبہ کے صحن میں بیٹھتے تب آپ کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لیتے حالانکہ ان کے بیٹوں تک کی مجال نہ تھی کہ وہ والد کے برابر میں ان کی چادر پر بیٹھ جائیں

عبدالمطلب کی وفات

عبدالمطلب کے سایۂ عاطفت میں رہتے ہوئے ابھی دو سال بھی نہ گذرے تھے کہ ان کا آخری وقت بھی آ پہنچا۔ ان کی وفات سے آپ کو سخت صدمہ پہنچا اور آپ جنازہ کے ساتھ اس حالت میں جا رہے تھے کہ آپ کی آنکھوں

سے لگاتار آنسو بہہ رہے تھے۔

ابوطالب کی کفالت

عبدالمطلب نے وصیت کر دی تھی کہ ان کے بعد اس یتیم بچے کی کفالت ان کے لڑکے ابوطالب کریں چنانچہ اس وصیت کے مطابق آپ کی پرورش کا بار آپ کے چچا ابوطالب نے اٹھایا۔ ابوطالب کو بھی آپ سے بے حد محبت تھی اور وہ رات کو بھی آپ کو بالعموم اپنے پاس سلایا کرتے تھے۔

سفر شام

آپ قریباً بارہ برس کے تھے کہ ابوطالب کو ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کا سفر پیش آ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دلی تعلق کی وجہ سے جو آپ کو چچا کے ساتھ تھا۔ ان سے جدائی گوارا نہ کرتے تھے۔ اسی لئے جب قافلہ کی روانگی کا وقت آیا تو آپ اپنے چچا سے لپٹ گئے اور ساتھ چلنے کے لئے التجا کی۔ ابوطالب نے بھی بھتیجے کا اصرار دیکھ کر اسے ساتھ لے جانا مناسب سمجھا۔ اسی سفر میں بصریٰ کے مقام پر آپ کی ملاقات ایک عیسائی راہب بحیرا سے ہوئی جس نے آپ کے بشرے کو دیکھ کر پہچان لیا کہ کتب سابقہ میں جس نبی کی آمد کی خبر لکھی ہوئی ہے وہ یہی بچہ ہے چنانچہ اس نے آپ کے چچا ابوطالب سے کہا کہ اس بچہ کو اہل کتاب کے شر سے

محفوظ رکھیں

آپ کا بکریاں چرانا

چونکہ اس زمانہ میں شرفاء عرب کی جائداد بالعموم اونٹوں بھیڑوں اور بکریوں پر مشتمل ہوتی تھی جن کے چرانے کا کام وہ عموماً اپنے بچوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب سفر شام سے واپس آئے تو آپ کے چچا کبھی کبھی آپ کو بکریاں چرانے کے کام پر بھی لگا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ زمانۂ نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ بکریاں چرانا بھی انبیاء کی سنت ہے۔

جنگ فجار

جب آپ کی عمر پندرہ سال یا ایک روایت کی رو سے بیس سال کی ہوئی تو عکاظ کے میلے میں کسی معمولی سی بات پر قبیلہ ہوازن اور قریش کے جوشیلے طبقہ میں کچھ چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی جس نے بڑھتے بڑھتے جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ چونکہ یہ لڑائی ان مہینوں میں تھی جن میں جنگ کرنا منع تھا اس لئے اس کا نام ہی حرب فجار یا ناجائز جنگ پڑ گیا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حصہ صرف اس قدر تھا کہ آپ اپنے چچاؤں کو تیر پکڑاتے جاتے تھے۔ ویسے باقاعدہ جنگ میں آپ نے حصہ نہیں لیا۔

حلف الفضول

جنگ فجار کے بعد زبیر بن عبدالمطلب اور بعض اور نیک دل اشخاص کے دلوں میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ مختلف قبائل کو باہم مل کر یہ عہد کرنا چاہیئے کہ ہم ہمیشہ ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کا اس کا حق دلانے میں کوشاں رہیں گے۔ چنانچہ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں مختلف قبائل کے سربراہوں نے مل کر مظلوم کی مدد کرنے کا حلف اٹھایا۔ چونکہ اس تحریک کے مشہور اشخاص کے ناموں میں فضل کا لفظ آتا تھا اس لئے اس معاہدہ کا نام بھی حلف الفضول پڑ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اس معاہدہ میں شریک تھے۔ چنانچہ زمانۂ نبوت میں ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسی قسم میں شامل ہوا تھا کہ اگر آج زمانۂ اسلام میں بھی کوئی مجھے اس کی طرف بلائے تو میں اس پر لبیک کہوں گا۔

تجارت

آپ کے چچا ابو طالب غریب اور عیالدار آدمی تھے۔ آپ نے ان کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے تجارت کا سلسلہ شروع کیا اور اس سلسلہ میں شام۔ یمن بحرین غرضیکہ عرب کے تمام اطراف وجوانب میں تشریف لے گئے۔ آپ معاملے کے نہایت صاف تھے اور دیانت وامانت اور راست گفتاری کو اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ اسی لئے

آپ کا نام امین مشہور ہوگیا تھا۔

حضرت خدیجہ سے شادی

مکہ میں ایک شریف اور مالدار بیوہ خاتون رہتی تھیں جن کا نام خدیجہ تھا جب انھوں نے آپ کی دیانت و امانت کا شہرہ سنا تو آپ کو مالِ تجارت دے کر شام بھیجا اور اپنے غلام میسرہ کو بھی آپ کے ساتھ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام پہنچ کر خدیجہ کا دیا ہوا مال تجارت معقول منافع پر فروخت کر دیا اور واپس آکر پائی پائی کا حساب چکا دیا۔ خدیجہ آپ کے حسن معاملہ اور دیانت داری سے اتنی متاثر ہوئیں کہ انھوں نے خود آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ جسے آپ نے اپنے چچا ابو طالب کے مشورہ سے قبول کر لیا چنانچہ آپ کی شادی حضرت خدیجہ سے ہوگئی۔ شادی کے وقت آپ کی عمر پچیس سال کی اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال کی تھی۔

اولاد

صاحبزادہ ابراہیم کے سوا جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری اولاد حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئی۔ قاسم۔ طاہر اور طیب آپکے تین صاحبزادے تھے بعض روایات میں ایک چوتھے صاحبزادے عبداللہ کا نام بھی آتا ہے لیکن عام

خیال یہی ہے کہ عبداللہ طیب ہی کا دوسرا نام تھا۔ لڑکیاں چار تھیں۔ یعنی زینب رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ۔ لڑکے تو تمام بچپن ہیں ہی فوت ہو گئے۔ ہاں لڑکیاں سب جوان ہوئیں۔ لیکن سوائے حضرت فاطمۃ الزہرا کے جن کی شادی حضرت علی سے ہوئی تھی اور کسی لڑکی سے نسل نہیں چلی۔

تعمیر خانہ کعبہ

سیلاب کے باعث کعبہ کی عمارت بہت بوسیدہ ہو گئی تھی۔ قریش نے اسے گرا کر دوبارہ تعمیر کرنا شروع کیا۔ تعمیر کرتے وقت ہر قبیلہ نے مختلف حصے اپنے لئے مخصوص کر لئے تھے۔ جب حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو تمام قبائل میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہ عزت اپنے لئے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس اختلاف نے اتنی شدت اختیار کی کہ تلواریں تک میانوں سے نکل آئیں۔ قریب تھا کہ قریش دوبارہ جنگ فجار کی مانند ایک اور خوفناک جنگ چھڑ جاتی کہ ابو امیہ بن مغیرہ کو ایک حیرت انگیز تجویز سوجھ گئی۔ اس نے کہا کہ جو شخص حرم میں سب سے پہلے آتا ہوا دکھائی دے اس سے اس جھگڑے کا فیصلہ کرایا جائے اور جو فیصلہ وہ کرے اسے تمام قبائل منظور کریں۔ عین اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آتے ہوئے سب لوگ آپ کو دیکھتے ہی امین پکار اٹھے اور یہ تنازعہ فیصلہ کے لئے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ایسا عجیب فیصلہ کیا کہ تمام قریش حیران رہ گئے۔ آپ نے اپنی چادر بچھا

کر اس پر حجرِ اسود کو رکھا اور تمام قبائل کے سرداروں سے کہا کہ وہ اس چادر کے کونے پکڑ لیں اور جس جگہ پتھر رکھا جانا ہے وہاں لے چلیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب حجرِ اسود اس جگہ کے بالمقابل پہنچا جہاں اسے رکھا جانا تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اپنے دستِ مبارک سے چادر پر سے اٹھا کر اس کی اصلی جگہ پر نصب کر دیا۔ اور اس طرح سے اس خطرناک جھگڑے کا جس کی وجہ سے قریب تھا کہ تمام قریش آپس میں کٹ کر مر جاتے۔ نہایت عقلمندی سے فیصلہ فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر پینتیس برس کی تھی۔

رویائے صالحہ

اب حضورؐ کی بعثت کا زمانہ قریب آرہا تھا۔ گو بچپن ہی سے حضور عامتہ الناس کی مجالس میں شرکت نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ قوم کی حالت دیکھ کر آپ کا دل گداز رہتا اور خداوند تعالیٰ سے ان کی اصلاح کے لئے دعائیں کیا کرتے تھے لیکن ان ایام میں تو آپ کا یہ حال تھا کہ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سوا اور کوئی کام نہیں تھا آپ کئی کئی دن کا کھانا لے کر مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر غار حرا میں چلے جایا کرتے تھے اور وہاں ہمہ تن خداوند تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ انہی دنوں میں آپ کو کثرت سے رویائے صالحہ ہونی شروع ہوئیں اور وحی کی ابتداء تھی۔

ابتدائے وحی

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عمر چالیس سال کو پہنچ چکی تھی۔ایک دن آپ حسب معمول غار حرا میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف تھے کہ ایک فرشتہ نمودار ہوا اور آپ سے مخاطب ہو کر بولا اقراء (پڑھ) آپ نے جواب دیا ما انا بقارى (میں پڑھ نہیں سکتا) فرشتہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ جواب سنکر آپ کو سینے سے لگا کر زور سے بھینچا اور پھر چھوڑ کر کہا اقراء آپ نے پھر وہی جواب دیا ما انا بقارى۔فرشتہ نے دوسری بار بھینچا اور کہا اقراء آپ نے پھر وہی جواب دیا۔فرشتہ نے تیسری بار بھینچا اور پھر بولا۔

اِقْرَاءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاءْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الانسانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ۝

یعنی اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ہاں پڑھو تیرا رب بہت عزت اور شان والا ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا جس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

یہ کہہ کر فرشتہ غائب ہو گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم گھبرائے ہوئے گھر پہنچے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا زملونی زملونی (مجھے کپڑا اڑھادو۔مجھے کپڑا

اڑھادو۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت خدیجہؓ بھی گھبرا گئیں اور انھوں نے آپ کو کپڑا اڑھادیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھبراہٹ کی حالت کم ہوئی تو آپ نے انھیں سارا واقعہ سنایا۔ حضرت خدیجہ یہ سن کر بولیں۔

كَلَّا وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَىٰ نَوَائِبِ الْحَقِّ۔

(ترجمہ) ہرگز نہیں خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں۔ آپ میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو اور لوگوں میں نہیں پائی جاتیں۔ آپ مہمان نواز ہیں اور راستی کی راہ میں جو رکاوٹیں پیش آئیں ان کا ازالہ کر کے اس راستی کی اعانت کرتے ہیں۔

اس کے بعد وہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عیسائی تھے اور توریت اور انجیل کے بہت بڑے عالم تھے۔ انھوں نے یہ واقعہ سن کر کہا کہ یہ تو وہی فرشتہ تھا جو حضرت موسیٰ پر وحی لاتا تھا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تیری قوم تجھے وطن سے نکال دے گی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ورقہ بن نوفل کے یہ الفاظ سنے تو حیران ہو کر پوچھا "کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا "ہاں کوئی رسول ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ اس کی قوم نے عداوت نہ کی ہو۔ تاہم اگر میں اس وقت تک

زندہ رہا تو اپنی پوری طاقت کے ساتھ تیری مدد کروں گا"

اس ملاقات کے بعد ورقہ بن نوفل تو جلد ہی فوت ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدستور غار حراء میں جا کر یاد الٰہی کرتے رہے تاہم کچھ عرصہ تک آپ پر کوئی مزید وحی نازل نہ ہوئی اور آپ کے یہ دن بڑی بے چینی اور اضطراب میں گزرے لیکن ایک دن آپ غار حراء سے واپس مکہ آ رہے تھے کہ آپ نے پھر اسی فرشتہ کو دیکھا جو غار حراء میں آپ پر وحی لایا تھا۔ آپ اسے دیکھ کر سہم گئے۔ گھبرائے ہوئے گھر آئے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ مجھ پر کوئی کپڑا ڈال دو۔ حضرت خدیجہ نے جلدی سے آپ کو کپڑا اوڑھا دیا۔ اتنے میں آپ پر وحی نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ ۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۔

(ترجمہ) اے چادر میں لپٹے ہوئے شخص! اٹھ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اپنے نفس کو پاک و صاف کر اور ہر قسم کے شرک سے پرہیز کر۔

اب آپ کی طبیعت میں بالکل اطمینان تھا۔ آپ نے خفیہ خفیہ ملنے والوں کو توحید الٰہی کی تبلیغ اور شرک کی تردید شروع کر دی۔

اولین مسلمان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ سے سب سے پہلے جو لوگ اسلام

وہ مندرجہ ذیل ہیں، آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہؓ ، آپ کے گہرے دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ
ابوبکر صدیق، آپ کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ بن ابی طالب جو آپ ہی کے پاس رہتے تھے
آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو قریش میں بہت رسوخ حاصل تھا۔ آپ نے اسلام لاتے ہی اپنے ملنے والوں کو اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ جس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ ایمان لائے ان کے علاوہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت سعید بن زید، حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ وہ چند لوگ تھے جو ابتدائی تین چار سال میں اسلام لائے

کھلی تبلیغ کا آغاز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خفیہ تبلیغ کرتے ہوئے تین سال پورے ہو چکے تھے اور چوتھے سال کا آغاز تھا کہ حکم الٰہی نازل ہوا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (اے رسول! جو تجھے حکم دیا گیا ہے وہ کھول کھول کر لوگوں کو سنا دے) اور اس کے قریب ہی یہ آیت اتری فَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں

یہ احکام ملنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ کے قریب کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور ہر ایک قبیلہ کا نام لے کر پکارا۔ جب تمام قبائل جمع ہو گئے تو آپ نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "اے قریش! اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر جرار چھپا ہوا ہے جو گھات لگا کر تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات مانو گے۔ سب نے بالاتفاق جواب دیا "ہم یقیناً آپ کی بات کا اعتبار کریں گے۔ کیونکہ ہم نے بچپن سے آپ کو صادق اور امین پایا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

تب میں تمھیں بتاتا ہوں کہ خدا کا عذاب قریب تر ہے۔ تم جلد اس پر ایمان لاؤ تاکہ اس عذاب سے بچ جاؤ۔" یہ سن کر آپ کے چچا ابولہب نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر آپ کی طرف پھینکی اور کہا۔ تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا (تجھ پر ہلاکت ہو (نعوذ باللہ) کیا اسی لئے تو نے ہمیں یہاں جمع کیا تھا؟) اس پر یہ آیات نازل ہوئیں

تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ مَا اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ. فِي جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں ابولہب کے۔ اور وہ خود بھی ہلاک ہو جائے نہ اس کا موروثی مال اس کے کام آیا اور نہ جو کچھ کہ اس نے کمایا۔ وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا۔ اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن کا گٹھڑ (جنگل سے) اٹھا کر لایا کرتی ہے۔ اس کی گردن میں مونج کا پھندا ہے)

بنو عبدالمطلب کو دعوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلوک کے باوجود ہمت نہ ہاری اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ایک دعوت کا انتظام کرو اور اس میں خاندان عبدالمطلب کو بلاؤ چنانچہ لوگ اکٹھے ہوئے کھانا کھانے کے بعد جب آپ تبلیغ کے لئے کھڑے ہوئے تو سارے لوگ اُٹھ کر چلے گئے اور کسی نے آپ کی بات نہ سنی۔ کچھ دن کے بعد آپ نے ایک اور دعوت کا انتظام کیا جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے کھانا کھانے سے پہلے ایک تقریر فرمائی۔ چونکہ لوگوں کو کھانے کا انتظار تھا اس لئے مجبوراً انہیں آپ کی تقریر سننی پڑی۔ آپ نے فرمایا:

"اے بنو عبدالمطلب! دیکھو میں تمہاری طرف وہ بات لے کر آیا ہوں کہ کوئی شخص اس سے اچھی بات اپنے قبیلہ کے لئے نہیں لایا۔ میں تمہیں خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تم میری دعوت کو قبول کرو تو دنیا بھر کی نعمتوں کے وارث بنو گے۔ اب بتاؤ۔ اس کام میں کون میرا مددگار ہوگا؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سنکر ہر طرف خاموشی طاری ہو گئی یکایک ایک کونے سے ایک تیرہ سالہ دبلا پتلا لڑکا جس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا کھڑا ہوا اور کہنے لگا "اگرچہ میں کمزور ہوں، میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میری آنکھیں دکھتی ہیں مگر میں آپ کا ساتھ دوں گا" یہ حضرت علی تھے۔ ان کی زبان سے یہ الفاظ سن کر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں سے فرمایا اگر تم جانو تو اس بچے کی بات سنو اور اسے مانو اس پر ابولہب نے اپنے بڑے بھائی ابوطالب کو مخاطب کر کے کہا" لو اب محمد تمھیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم اپنے بیٹے کی پیروی کرو" دوسرے خاندان والے بھی آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے چلے گئے۔

پہلا تبلیغی مرکز

اب تبلیغ کے کام میں وسعت پیدا ہونی شروع ہو گئی تھی اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں مسلمان اکٹھے ہو سکتے اور عبادت الٰہی بجالا سکتے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک مخلص صحابی حضرت ارقم بن ابی ارقم کے مکان کو اس غرض کے لئے منتخب فرمایا جو کوہ صفا کے دامن میں واقع تھا۔ یہ مکان چوتھے سال کی ابتداء سے لے کر چھٹے سال کے آخر تک مسلمانوں کا تبلیغی اور تربیتی مرکز بنا رہا۔ حضرت عمر آخری شخص تھے جو اس مکان میں اسلام لائے

ابوطالب کے پاس قریش کے وفد کی آمد

جب مکہ میں اسلام کو ترقی ہونے لگی تو قریش کو فکر پیدا ہوا اور انھوں نے سوچا کہ اگر ابتداء ہی میں اس کی روک تھام نہ کی گئی تو کہیں یہ تحریک بڑھتے بڑھتے ان کے نظام اجتماعی کو تہ و بالا نہ کر دے۔ چنانچہ رؤسائے قریش کا ایک وفد جس میں

ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام اور ابوسفیان وغیرہ شامل تھے ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ کو ہماری قوم میں اعزاز و اکرام حاصل ہے۔ اس لئے آپ سے درخواست کرتے آئے ہیں کہ آپ اپنے بھتیجے کو اس نئے دین کی اشاعت سے روک دیں یا پھر اس کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں اور ہمیں اجازت دیں کہ ہم اس سے دو ٹوک فیصلہ کر لیں۔ ابوطالب نے اس وفد کو نرمی سے سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔

جب یہ آیتیں اتریں کہ مشرکین رجس ہیں۔ پلید ہیں، شرالبریہ ہیں، بیوقوف ہیں اور ذریت شیطان ہیں اور ان کے معبود جہنم کا ایندھن ہیں تو قریش کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ وہ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے ہمارے دین میں نقص نکالتا ہے۔ ہمارے معزز لوگوں کو بیوقوف ٹھہراتا ہے اور ہمارے آباؤاجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے ہم نے تم سے درخواست کی تھی کہ اسے ہمارے معبودوں کی تحقیر و تذلیل اور ہمارے دین کی اہانت کرنے سے باز رکھو لیکن افسوس تم نے ایسا نہ کیا۔ خدا کی قسم! اب ہم اپنے آباؤاجداد پر سب و شتم، بزرگوں کی تحقیر و تذلیل اور معبودوں کی اہانت کو کسی طرح برداشت نہ کریں گے۔ یا تو آپ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے منع کیجئے، ورنہ ہم محمدؐ کے ساتھ آپ کے مقابلے پر بھی کمربستہ ہو جائیں گے اور اس وقت تک بس نہ کریں گے جب تک دونوں فریقوں میں سے ایک تباہ و برباد نہ ہو جائے۔

ابوطالب اس دھمکی سے مرعوب ہو گئے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا کر کہا:۔

"اے میرے بھتیجے! تیری قوم میرے پاس آئی تھی اور یہ کہتی تھی۔ تو اپنے ساتھ میری جان پر بھی رحم کر اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کے اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں"۔

ابوطالب کی زبان سے یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال پیدا ہوا کہ چچا کے پائے استقلال میں لغزش آگئی ہے اور اب وہ آئندہ کے لئے تیار نہیں آپ نے فرمایا۔

چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے اور چاند کو میرے بائیں لا کر کھڑا کریں اور مجھ سے مطالبہ کریں کہ میں دین اسلام کی اشاعت کا یہ کام چھوڑ دوں تب بھی میں اسے ترک نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ اس دین کو غلبہ عطا فرمائے یا میں خود اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں

یہ کہتے کہتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رقت طاری ہو گئی اور آپ اٹھ کر کھڑے ہو گئے بھتیجے کی باتوں کا چچا کے دل پر بھی بہت اثر ہوا اور انہوں نے کہا:۔

بھتیجے! جاؤ اور اپنے کام میں لگے رہو۔ خدا کی قسم! میں تمھیں کبھی نہ چھوڑوں گا اور قوم کی باتوں کی مطلق پرواہ نہ کروں گا۔

جب قریش کو معلوم ہوا کہ ابوطالب بدستور اپنے بھتیجے کی حمایت پر کمربستہ ہیں اور انہوں نے اس کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا ہے تو انہوں نے ایک نئی چال چلی وہ تیسری بار پھر ابوطالب کے پاس پہنچے اور اپنے ساتھ ولید بن مغیرہ کے بیٹے عمارہ کو بھی لیتے گئے۔ اُن کے پاس پہنچ کر کہنے لگے :۔

ابوطالب! یہ عمارہ بن ولید ہے جس کا حسن و جمال اور عقل و خرد میں جواب نہیں ہے۔ تم محمدؐ کے بدلے اسے لے کر اپنا بیٹا بنا لو اور اپنے بھتیجے کو قتل کرنے کے لئے ہمارے حوالے کر دو۔ کیونکہ اس نے ہمارے دین کی مخالفت کر کے قوم میں ایک انتشار اور عظیم فساد برپا کر دیا ہے۔"

ابوطالب نے جواب دیا

یہ عجیب سودا ہے۔ تمہارے بیٹے کو لے کر پرورش کروں اور اپنے بیٹے کو قتل کرنے کے لئے تمہارے حوالے کر دوں۔ خدا کی قسم ایسا کبھی نہ ہوگا۔

ابوطالب کی یہ بات سن کر قریش میں سے ایک شخص بولا :۔

ابوطالب! تمہاری قوم نے تو تم پر ہر رنگ میں حجت پوری کر دی ہے اور اب تک جھگڑے سے اپنے آپ کو بچایا ہے۔ مگر تم ان کی کوئی بات بھی مانتے نظر نہیں آتے۔

ابوطالب نے جواب دیا :۔

واللہ میرے ساتھ انصاف نہیں کیا جا رہا۔ اب تو میں صرف یہ کہہ سکتا

ہوں کہ تم سے جو ہو سکتا ہے وہ کر لو۔"

آنحضرت صلعم اور مسلمانوں پر کفار کے مظالم

جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے مصالحت کرنے اور ان کی کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں تو انھوں نے جبر سے کام لینا چاہا تمام قبائل نے مل کر یہ فیصلہ کیا جس جس قبیلے میں سے کوئی شخص مسلمان ہوا وہ قبیلہ اسے ہر ممکن طریقے سے اسلام ترک کرنے پر مجبور کرے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے رہ جائیں چنانچہ ہر ایک قبیلے نے اس فیصلہ پر عمل کرنا شروع کر دیا حضرت عثمان کو رسیوں سے باندھ کر پیٹا گیا حضرت زبیر العوام کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کو صحن کعبہ میں بری طرح زدوکوب کیا گیا سب سے زیادہ مظالم کا نشانہ غلاموں کو بننا پڑا حضرت بلالؓ امیہ بن خلف کے غلام تھے وہ بدبخت ان کی گردن میں رسی ڈال کر انھیں بچوں کے سپرد کر دیتا اور وہ رسی اپنے ہاتھوں میں لے کر شور مچاتے ہنسی ٹھٹھا کرتے انہیں مکہ کی گلیوں میں پھرایا کرتے لیکن اس حالت میں بھی ان کی زبان سے احد احد ہی کے الفاظ جاری رہتے امیہ سخت گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت انہیں مکہ سے باہر لے جاتا اور ان کے جسم پر سے کپڑا اتار کر تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتا یہ ریت اس قدر گرم ہوتی تھی کہ اگر گوشت کا ٹکڑا اس پر رکھ دیا جاتا تو وہ بھی پک جاتا۔ ریت پر لٹا کر وہ کوئی بہت بڑا پتھر لے

کہ ان کے سینے پر رکھ دیتا اور کہتا کہ یا تو عقیدۂ توحید سے انکار کرو اور لات و عزیٰ کو اپنا معبود تسلیم کرو۔ ورنہ اسی طرح اذیتیں دے دے کر جان سے مار ڈالوں گا۔ لیکن اس حالت میں بھی ان کی زبان سے جو الفاظ نکلتے وہ احد احد ہی کے ہوتے۔ امیہ کے اس ظلم وستم کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے بلال کو خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت عمار ان کے والد یاسرؓ اور والدہ سمیہؓ پر تو اس قدر مظالم توڑے گئے کہ ان کا حال پڑھ کر کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ حضرت سمیہؓ تو انہی مظالم کی تاب نہ لا کر اس جہان فانی سے رخصت ہو گئیں اور انہیں اسلام میں سب سے پہلی شہید ہونے کا فخر حاصل ہے۔

خباب بن ارت بھی ایک غلام تھے ان کی مالکہ کا نام ام انمار تھا۔ وہ لوہے کو آگ میں گرم کر کے ان کی پیٹھ پر رکھ دیتی جس سے ان کی چربی باہر نکل آتی لیکن اس قدر روح فرسا مظالم کے باوجود ان کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آتی اور ان کا ایمان روز بروز ترقی کرتا چلا جاتا ایک روز وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ خدا سے دعا کریں کہ وہ ہمیں ان کفار کے مظالم سے نجات دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

تم ابھی سے گھبرا گئے۔ حالانکہ تم سے پہلی امتوں میں ایسے ایسے بندگان خدا

گذر چکے ہیں جن کے گوشت کو لوہے کی کنگھیوں سے نوچا گیا اور سروں پر آرے رکھ کر چیر دیا گیا لیکن انھوں نے اف تک نہ کی۔ ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک کا سفر کرے گا اور اسے راستے میں اللہ کے میں اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہو گا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کفار کی ایذا رسانیوں اور مظالم سے نہ محفوظ تھے۔ کفار آپ کو ساحر (جادوگر) کہتے تھے اور آپ کا مذمم (بدنام) رکھا ہوا تھا ایک دفعہ کسی شخص نے ایک نہایت ہی گندی اور بدبودار چیز آپ کے گھر میں پھینک دی۔ آپ نے اسے باہر پھینک کر صرف اس قدر فرمایا "اے بنو عبد مناف یہ تم نے اچھی ہمسائگی ادا کیا"۔ ایک مرتبہ آپ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق رضی کو اس کا علم ہو گیا۔ وہ دوڑے دوڑے آئے اور آپ کو چھڑایا

ہجرت حبشہ

جب کفار کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ تم حبشہ ہجرت کر جاؤ۔ وہاں اس وقت ایک ایسا بادشاہ تخت پر متمکن ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ سرزمین انشاء اللہ تمہارے لئے امن اور راحت کا موجب ہو گی۔ تم وہاں اس وقت تک رہو جب تک اللہ تعالےٰ تمہارے لئے امن

اور عافیت کی کوئی راہ اور نہ کھول دے اور مکہ میں اس وقت تم پر جو مظالم ڈھائے جاتے ہیں، ان کا سلسلہ بند نہ ہو جائے۔" اہل حبشہ کا مذہب عیسائیت تھا اور وہاں اس وقت اصحمہ نامی ایک بادشاہ حکمران تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق رجب ۵ نبوی میں سب سے اول گیارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ ابھی ان لوگوں کو وہاں گئے تین ہی مہینے ہوئے تھے کہ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ اہل مکہ اسلام لے آئے۔ یہ خبر سنکر مہاجرین حبشہ مکہ واپس پہنچے مگر یہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی۔ اب ان میں سے کوئی شخص مکہ میں اس وقت تک نہ رہ سکتا تھا جب تک اہل مکہ میں سے کوئی شخص اسے اپنی پناہ میں لینے کا اقرار نہ کرتا چنانچہ ان لوگوں نے اپنے عزیزوں اور دوستوں کی پناہ طلب کی اور اس طرح انہیں دوبارہ مکہ میں رہنے کی اجازت مل سکی۔ تاہم کفار کے مظالم مسلمانوں پر بدستور جاری رہے۔

جب کفار مکہ کے مظالم میں کمی نہ آئی تو مسلمان دوسری بار حبشہ کی جانب ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس ہجرت میں تین سو اسی مردوں اور بارہ عورتوں نے حصہ لیا۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف لے جانے تک حبشہ ہی میں مقیم رہے اور امن وچین سے زندگی بسر کرتے رہے۔ وہاں کے نیک دل بادشاہ نے انہیں آرام و آسائش پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ قریش نے بیحد کوشش کی کہ کسی طرح نجاشی شاہ حبشہ پر زور ڈال کر انہیں واپس مکہ بلا لیا جائے اس غرض کے لئے انہوں نے اپنے دو معزز آدمیوں عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ

کو بیش قیمت تحائف دے کر حبشہ بھی بھیجا لیکن نجاشی نے ان کی معروضات نا منظور کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا اور قریش کے وفد کو جو بڑی امیدوں کے ساتھ حبشہ گیا تھا بے نیل مرام مکہ واپس آنا پڑا

حضرت حمزہ کا قبول اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا حضرت حمزہ ابھی تک اسلام نہ لائے تھے وہ ہر روز تیر کمان لے کر شکار کو جایا کرتے تھے اور شام کو واپس آیا کرتے ایک دن آپ شکار کھیل کر واپس گھر پہنچے تو ان کی خادمہ نے کہا کہ آپ بڑے بہادر بنتے پھرتے ہیں ابھی ابھی ابوالحکم (یا ابوجہل) آپ کے بھتیجے محمدؐ کے پاس آیا اور انہیں بے حد گالیاں دے کر واپس چلا گیا۔ لیکن محمدؐ نے آگے کوئی جواب نہ دیا۔

یہ سنکر حضرت حمزہ کی خاندانی غیرت نے جوش مارا اور وہ اسی وقت تیر کمان ہاتھ میں لئے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے جہاں ابوجہل دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنی آج کی کارگذاری بڑے فخر سے بیان کر رہا تھا۔ حضرت حمزہ نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر ابوجہل کی طرف بڑھے اور کمان اٹھا کر اس زور سے اس کے سر پر ماری کہ خون بہنے لگا۔ پھر کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ تو نے محمدؐ کو گالیاں دی ہیں سن لے کہ میں بھی محمدؐ کے دین پر ہوں۔ اور میں بھی وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا ہے۔ اگر تجھ میں ہمت ہے

میرے سامنے بول۔"

حضرت حمزہ کی یہ باتیں سن کر ابوجہل کے ساتھی لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے لیکن خود ابوجہل نے انھیں یہ کہہ کر خاموش کرا دیا کہ واقعی محمد سے آج زیادتی ہو گئی تھی۔

گھر آ کر حضرت حمزہؓ گھبرائے کہ میں نے زبان سے یہ کیا کہہ دیا۔ لیکن پھر دل نے یہی فیصلہ کیا کہ اسلام قبول کرنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ بھتیجے! میں بھی آج سے تمہارا دین قبول کرتا ہوں۔ حضرت حمزہ ۶ سنہ نبوی میں اسلام لائے۔

حضرت عمر کا قبول اسلام

حضرت حمزہ کو اسلام لائے ابھی چند ہی روز گذرے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت عمرؓ کو بھی اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ حضرت عمرؓ اسلام کے شدید دشمن تھے اور کمزور مسلمانوں کو سخت تکالیف دیا کرتے تھے۔ ایک دن انھوں نے خیال کیا کہ کیوں نہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کو قتل کر دیا جائے تاکہ اس فتنہ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قلع قمع ہو جائے۔ چنانچہ وہ تلوار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں کسی نے ان سے کہا کہ محمد کو تو بعد میں قتل کرنا پہلے اپنی بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید کی تو خبر لو وہ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت

عمرؓ کو کہاں تاب تھی وہ اسی وقت اپنی بہن کے گھر پہنچے۔ دروازہ پر پہنچ کر انہیں اندر سے قرآن کریم پڑھنے کی آواز آئی۔ اس وقت حضرت خباب بن ارتؓ ان دونوں کو قرآن کریم پڑھا رہے تھے حضرت عمرؓ نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا حضرت خبابؓ عمرؓ کی آواز سنتے ہی کہیں چھپ گئے اور فاطمہؓ نے قرآن کریم کے اوراق کہیں چھپا دیئے حضرت عمرؓ نے اندر داخل ہوتے ہی بڑے جلال سے پوچھا "میں نے سنا ہے کہ تم اپنے دین سے پھر گئے ہو" یہ کہتے ہی اپنے بہنوئی پر حملہ کر دیا۔ ان کی بہن اپنے خاوند کو چھڑانے کے لئے آگے بڑھیں تو وہ بھی بھائی کے ہاتھوں زخمی ہو گئیں۔ مگر اس حالت میں بھی انھوں نے قابلِ رشک جرأت کا ثبوت دیا اور کہا "ہاں عمرؓ! ہم مسلمان ہو گئے ہیں تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو مگر ہم اس دین کو نہیں چھوڑ سکتے" حضرت عمرؓ نے بہن کا دلیرانہ کلام سن کر اوپر نظر اٹھائی تو دیکھا کہ ان کا جسم خون سے تر بتر ہے۔ یہ دیکھ کر ان کے دل پر چوٹ پڑی اور کہا "مجھے وہ کلام دکھاؤ جو تم لوگ پڑھ رہے تھے" حضرت فاطمہؓ نے کہا "مجھے تم پر اعتبار نہیں تم وہ اوراق ضائع کر دو گے" عمرؓ نے وعدہ کیا کہ میں ایسا ہرگز نہ کروں گا اور انہیں پڑھ کر بجنسہٖ واپس کر دوں گا۔ حضرت فاطمہ نے کہا "مگر تم نجس ہو اور نجس آدمی قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا پہلے تم نہاؤ اس کے بعد ان اوراق کو ہاتھ لگاؤ" چنانچہ حضرت عمرؓ نے غسل کیا تب حسبِ وعدہ ان کی بہن نے قرآن کریم کے اوراق ان کے ہاتھ میں دیئے وہ جوں جوں پڑھتے جاتے تھے ان کے دل پر پڑے ہوئے پردے ہٹتے جاتے تھے آخر میں ان کے دل میں صداقت نے گھر کر لیا اور وہ اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ اس وقت دارارقم میں تشریف رکھتے تھے۔ جب انھوں نے جاکر دروازہ پر دستک دی تو کسی صحابی نے درز میں سے دیکھا کہ عمر تلوار ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں انھوں نے گھبراہٹ میں یہ بات جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو بتائی حضرت حمزہ نے کہا "کوئی فکر نہیں۔ اگر عمر نیک نیت کے ساتھ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر اتار کر چھاتی پر رکھ دوں گا" چنانچہ دروازہ کھولا گیا اور حضرت عمرؓ اندر داخل ہوگئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا دامن پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا اور فرمایا "عمر کس ارادے سے آئے ہو؟" انھوں نے عرض کیا "یارسول اللہ! اسلام قبول کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں" یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر صحابہ نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو اتنی تقویت ہوئی کہ انھوں نے کھلم کھلا مسجد حرام میں نماز ادا کی۔

قریش کی جانب سے مصالحت کی کوششیں

جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی تبلیغ سے کسی طرح نہیں رکتے اور حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے بڑے بڑے آدمی بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں تو انھوں نے عتبہ بن ربیعہ کو آپ کے پاس اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ وہ

کسی طرح سے آپ کو اپنے مذہب کی اشاعت سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن عتبہ ناکام واپس آیا۔ اس پر تمام قریش خانہ کعبہ میں جمع ہوئے اور باہمی مشورہ سے یہ فیصلہ قرار پایا کہ تمام بڑے بڑے سردار مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھائیں چنانچہ تمام سرداران قریش صحن کعبہ میں مجلس جما کر بیٹھ گئے اور ایک آدمی بھیج کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلایا۔ جب حضور تشریف لائے تو قریش نے کہا۔

" محمدؐ! تم شریف ہو تمہارا خاندان بھی شریف اور معزز ہے مگر تم نے قوم کے اندر ایک فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی ہے۔ ذرا اتنا تو بتاؤ کہ آخر تمہارا کیا مقصد ہے اگر تم کو مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم تمہارے لئے اس قدر مال جمع کئے دیتے ہیں کہ تم عرب میں سب سے مالدار ہو جاؤ گے۔ اگر تم کو حکومت اور سرداری کی خواہش ہے تو ہم سب تم کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ اگر تمھیں کوئی بیماری لاحق ہے تو ہم اپنے پاس سے روپیہ خرچ کر کے تمہارا علاج کروا سکتے ہیں اور اگر تم کو شادی کرنا منظور ہے تو ہم عرب کے سب سے اعلیٰ گھرانے کی حسین ترین لڑکی کے ساتھ تمہاری شادی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے بدلے ہم تم سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارے دین کی مذمت کرنے سے باز آجاؤ"

قریش کی یہ باتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف یہ فرمایا۔

اے قریش! مجھے ان چیزوں میں سے جو تم نے میرے سامنے پیش کی ہیں کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو تمہارے پاس خدا تعالےٰ کی طرف سے

ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔ اگر تم مان لو تو تمہارا اس میں فائدہ ہے اور اگر انکار کرو تو میں نہایت صبر و تحمل کے ساتھ اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کروں گا۔"

یہ کہہ کر آپ واپس تشریف لے آئے اور اس طرح قریش کی یہ تدبیر بھی ناکام ثابت ہوئی۔

محاصرہ شعب ابی طالب

جب قریش کو یقین ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی ترغیب و تحریص اشاعت اسلام کے کام سے نہیں روک سکتی تو انھوں نے باہم مشورہ کرکے یہ فیصلہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے تمام غمخواروں کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات منقطع کر دیئے جائیں اور ان سے خرید و فروخت قطعاً بند کر دی جائے۔ چنانچہ محرم ۷ سنہ نبوی میں اس مضمون کا ایک باقاعدہ معاہدہ لکھا گیا جس پر تمام بڑے بڑے رؤسا نے دستخط کئے اور عہد نامہ کعبہ کی ایک دیوار کے ساتھ آویزاں کر دیا گیا۔ چنانچہ ابو طالب کو چھوڑ کر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے دونوں خاندان کیا مسلم اور کیا غیر مسلم سب شعب ابی طالب میں جو ایک پہاڑی درہ کی صورت میں تھا محصور ہو گئے اور گنتی کے چند دوسرے مسلمان بھی جو اس وقت مکہ میں موجود تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گئے۔

یہ محاصرہ تین سال تک جاری رہا۔ مسلمانوں نے یہ طویل عرصہ انتہائی مصیبت

اور تکلیف کے ساتھ بسر کیا یہاں تک کہ بھوک کی شدت کے باعث لبسا اوقات درختوں کے پتے تک چبانے کی نوبت آجاتی تھی۔ آخر یہ طویل مدت گذرنے کے بعد چند سرداران قریش کے جذبۂ ترحم نے انگڑائی لی اور وہ اس ظالمانہ معاہدے کو ختم کرنے پر تل گئے ان لوگوں میں ہشام بن عمرو العامری، زہیر بن امیہ مخزومی، مطعم بن عدی نوفلی، ابو البختری بن ہشام اسدی اور زمعہ بن اسود اسدی شامل تھے۔ ایک رات ان لوگوں نے اکٹھے ہو کر ایک سازش کی جس کے بموجب اگلے روز زہیر خانہ کعبہ میں گیا اور طواف کرنے کے بعد قریش کی مجلس میں پہنچا جو کعبہ میں جمی ہوئی تھی۔ وہ پہنچ کر کہنے لگا۔

"اے اہل مکہ! کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم تو آزادی سے کھاتے پیتے ہیں لیکن بنو ہاشم اور بنو مطلب بھوک اور پیاس کے باعث جاں بلب ہیں نہ ان تک کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچنے دی جاتی ہے اور نہ انہیں خرید و فروخت کی اجازت ہے۔ خدا کی قسم! میں تو اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ پارہ پارہ نہ ہو جائے گا۔"

یہ سن کر ابو جہل کہنے لگا:۔

"تو جھوٹ کہتا ہے۔ یہ معاہدہ ہرگز منسوخ نہ ہوگا۔"

زمعہ نے کہا:۔

"خدا کی قسم! تو سب سے جھوٹا ہے۔ جس وقت یہ معاہدہ لکھا گیا

ہم تو اس وقت بھی راضی نہ تھے۔"

ابوالبختری (جو پہلے ہی اس سازش میں شریک تھا) بول اٹھا۔

"زمعہ سچ کہتا ہے۔ واقعی یہ معاہدہ منسوخ ہونا چاہیے۔"

مطعم نے بھی ابوالبختری کی تائید کی اور کہا:۔

"زمعہ اور ابوالبختری سچ کہتے ہیں اور جو شخص ان کے خلاف کہتا ہے جھوٹ بکتا ہے"

ہشام نے بھی ان لوگوں کی تائید کی۔

اس کے بعد مطعم اٹھا اور معاہدہ کا کاغذ نکال کر اسے چاک چاک کر دیا۔ اس طرح یہ ظالمانہ معاہدہ ختم ہوا اور مسلمانانِ مکہ اپنے اپنے گھروں میں واپس آ گئے یہ واقعہ ۱۰ نبوی کا ہے۔

ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات

ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی عمریں بھی کافی ہو چکی تھیں اس کے علاوہ تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہنے کے باعث ان کی صحتیں اور بھی گر گئی تھیں ابھی شعب ابی طالب سے نکلے چند ہی دن ہوئے تھے کہ دونوں یکے بعد دیگرے داعی اجل کو لبیک کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ان غمگسار اور جاں نثار رفیقوں کی وفات کا بے حد صدمہ ہوا اور آپ نے اس سال کا نام ہی "عام الحزن"

رغموں کا سال) رکھ دیا۔

قریش کی جانب سے مظالم میں زیادتی

جب تک ابو طالب اور حضرت خدیجہ زندہ رہے قریش کے مظالم میں کسی حد تک کمی رہی کیونکہ یہ دونوں آپ کے سینہ سپر تھے لیکن ان کی وفات کے بعد قریش نے آپ کو بے یار و مددگار سمجھ کر مظالم میں شدت اختیار کرنی شروع کر دی ایک دفعہ آپ صحن کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے قریب ہی قریش بھی مجلس لگائے بیٹھے تھے کہ ابو جہل بولا۔

"فلاں جگہ اونٹنی ذبح ہوئی ہے کیا ہی اچھا ہو اگر کوئی شخص اس اونٹنی کا بچہ دان لا کر محمدؐ پر ڈال دے"

چنانچہ عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور بچہ دان لے آیا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدہ میں گئے تو اس نے اسے آپ کے کندھے پر ڈال دیا۔ اس کے بوجھ سے آپ کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو پتا چل گیا وہ دوڑی دوڑی آئیں اور حضورؐ کے کندھوں سے یہ بوجھ اتارا تب کہیں جا کر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ سے نکاح

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد سوال سنہ نبوی میں آپ نے چار

سودہم مہر پر حضرت عائشہؓ بنت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت سودہ بنت زمعہ سے نکاح کیا۔ حضرت سودہ کا رخصتانہ تو فوراً بعد ہو گیا مگر حضرت عائشہؓ کا رخصتانہ عمر کم ہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لئے ملتوی رہا۔ مدینہ جا کر آپ کا رخصتانہ ہوا۔

سفرِ طائف

اب مکہ میں رہ کر دعوت الی الاسلام کا کام جاری رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بے حد مشکل ہو چکا تھا۔ حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات کے بعد قریش کو آپ کا کوئی لحاظ باقی نہ رہا تھا۔ مکہ والوں کی سخت دلی کو دیکھ کر آپ نے طائف کا رُخ کیا کہ شاید وہاں کے لوگ زیادہ نرم ثابت ہوں اور اپنی بھلائی کی باتوں کو جلد قبول کر لیں۔ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ آپ کے ساتھ تھے سب سے پہلے آپ وہاں کے سب سے بڑے خاندان کے تین معزز بھائیوں کے پاس گئے مگر ان تینوں نے آپ کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ آپ کوئی دس روز کے قریب وہاں ٹھہرے اور یکے بعد دیگرے وہاں کے لوگوں کو اپنا پیغام پہنچانا چاہا مگر ہر طرف سے یہی جواب ملتا تھا کہ اگر سچے ہو تو پہلے اپنی قوم کو منواؤ۔ آخر آپ کو پیغام دیا گیا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ لیکن جونہی آپ چلے بازاری لوگوں نے سرداروں کے اشارہ پر آپ پر ہنسی ٹھٹھا شروع کر دیا۔ شہر کے باہر راستے کے دونوں طرف دور تک لوگ پھیل گئے اور جونہی آپ ان کے درمیان سے گذرنے لگے آپ کی ٹانگوں پر پتھروں کی بوچھاڑ

شروع کی۔ لہولہان ہو کر جب آپ بیٹھنے لگتے تو ایک بدبخت آتا اور ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیتا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ یہاں تمہارے ٹھہرنے کا کیا کام ہے دو تین میل تک یہی حالت رہی اور آپ پر اس قدر پتھر برسائے گئے کہ جوتیاں خون سے بھر گئیں آخر جب بدمعاشوں نے آپ کا پیچھا چھوڑا تو آپ کچھ آرام لینے کے لئے ایک باغیچہ میں بیٹھ گئے یہ باغ ایک کافر عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ مگر آپ کو اس مظلومیت کی حالت میں دیکھ کر اس کے دل میں رحم آیا اور اس نے اپنے غلام عداس کے ہاتھ انگوروں کا ایک خوشہ آپ کے لئے بھیجا یہ ایک عیسائی غلام تھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اسے تعجب ہوا۔ دریافت کرنے پر آپ نے اسے اپنے منصب کی خبر دی اور وہ آپ پر ایمان لے آیا۔

مکہ کو واپسی اور قبائل عرب کو تبلیغ

طائف سے آپ مکہ واپس آ گئے مگر شہر میں داخل ہونے سے پہلے مطعم بن عدی کو کہلا کر بھیجا کہ میں تمہاری حفاظت میں آنا چاہتا ہوں کیا تم یہ ذمہ داری قبول کر سکتے ہو؟۔ اس نے اپنے بیٹوں کو ساتھ لیا اور تلواروں کی حفاظت میں آپ کو مکہ میں لے آیا۔

جب موسم حج آیا تو آپ ایک ایک کر کے ان تمام قبیلوں کے پاس گئے جو اطراف عرب سے اس موقع پر جمع ہوئے تھے مگر جس مجمع میں آپ تقریر کرتے

ابولہب بھی وہاں پہنچ جاتا اور لوگوں کو آپ کی باتیں سننے سے روکتا ابولہب کی باتیں سن کر لوگ بھی آپ کی طرف توجہ نہ کرتے۔ اسی طرح پھرتے پھرتے آپ مدینہ کے قبیلہ خزرج کے چند لوگوں کے پاس گئے اور فرمایا "اگر تم بیٹھ جاؤ تو میں تمہارے ساتھ کچھ باتیں کروں" وہ بیٹھ گئے۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی چونکہ مدینہ میں یہودی بہت رہتے تھے اور ان لوگوں نے ان سے سنا ہوا تھا کہ ایک موعود نبی کے آنے کا زمانہ قریب ہے۔ پس ایک طرف اسلام کی تعلیم کی خوبی نے ان پر اثر کیا اور دوسری طرف اس پیشگوئی سے انکے دل میں یقین ہو گیا آپ وہی موعود نبی ہیں چنانچہ یہ سب آدمی جو تعداد میں چھ تھے مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعہ سنہ نبوی کا واقعہ ہے۔

بیعت عقبۂ اولیٰ

ان لوگوں کی وجہ سے مدینہ میں اسلام کا کچھ چرچا ہو گیا۔ چنانچہ اگلے سال بارہ آدمی جو مسلمان ہو چکے تھے حج کے موقعہ پر مکہ آئے اور انہوں نے مقام عقبہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی۔ جو بیعت عقبۂ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے یہ بیعت ان الفاظ میں تھی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کریں گے اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے اور امر بالمعروف میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

مدینہ میں اسلام کا نفوذ اور بیعت عقبہ ثانیہ

جب یہ لوگ مدینہ واپس جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں قرآن سکھلانے اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لئے حضرت مصعب بن عمیر کو بھیج دیا۔ حضرت مصعب کی کوششوں کے نتیجے میں اسلام مدینہ میں خوب زور سے پھیلا اور اوس و خزرج کے بڑے بڑے لوگ مسلمان ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب پھر حج کا موسم آیا تو ان میں سے تہتر مرد اور عورتیں مکہ میں آئے اور اسی عقبہ کے مقام پر رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی۔ آپ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بھی تھے۔ جو گو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر آپ کے دلی ہمدرد اور خیر خواہ تھے چونکہ مدینہ کے مسلمان یہ ارادہ کر کے آئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یثرب لے آئیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہجرت کے متعلق خدائی اشارہ ہو چکا تھا، اس لئے حضرت عباس نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

"اے گروہ خزرج! محمدؐ کی ہم میں جو حیثیت ہے وہ تمھیں معلوم ہے ہم نے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہتے کے باوجود اپنی قوم سے اس کی ہر طرح حفاظت کی ہے ہمارے خاندان میں اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور مکہ میں کوئی شخص اسے بری نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ اب محمدؐ نے مکہ کو چھوڑ کر تمہارے

درمیان رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر تم یہ اقرار کرو کہ جو وعدے تم نے اس کے ساتھ کئے ہیں وہ پورے کرو گے اور مخالفین کے مقابلے میں اس کی ہر طرح مدد کرو گے تو بیشک اسے مکہ چھوڑ کر تمہارے درمیان آباد ہونے میں کوئی عذر نہ ہو گا لیکن اگر تم نے اسے اپنے ہاں بلانے کے بعد اس کی امداد سے پہلو تہی اختیار کی تو بہتر یہی ہے کہ تم اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت ہی نہ دو کیونکہ اس کی حفاظت کرنے اور اسے مخالفین کی ایذا رسانیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ہم ہی کافی ہیں۔"

سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔

"ہم رسول اللہ کی حمایت و حفاظت کریں گے خواہ اس کے لئے ہمیں جان و مال کی کتنی بھاری قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور قرآن کریم کی چند آیات تلاوت کرنے کے بعد فرمایا۔

میں تم سے اس امر کی بیعت لیتا ہوں کہ میری باتیں سنو گے اور صدق دل سے میری اطاعت کرو گے تنگی ہو یا آسائش، خواہ کوئی صورت ہو، اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو گے اپنے بھائیوں کو نیک باتوں کی تلقین اور بری باتوں سے منع کرتے رہو گے۔ اللہ کے بارے میں ہمیشہ حق بات کہو گے اور ایسا کرنے میں لومۃ لائم کی پرواہ نہ کرو گے۔ میری مدد کرو گے۔ جب میں تمہارے ہاں آجاؤں گا تو میری حفاظت اسی طرح کرو گے جس طرح اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت

کرتے ہو ان باتوں کے عوض تمہیں جنت عطا ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر کے بعد براءؓ بن معرور کھڑے ہوئے اور آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو مبعوث کیا کہ ہم آپ کی حفاظت اسی طرح کریں گے جس طرح اپنے اہل وعیال کی کرتے ہیں۔ اس لئے ہماری بیعت لے لیجئے۔ خدا کی قسم! ہمارا شمار عرب کے جنگجو قبیلوں میں ہوتا ہے۔ ہمارے پاس ہتھیاروں کی بھی کمی نہیں۔ ہم آپ کی حفاظت کرنے کے ہر طرح قابل ہیں۔"

براء کے بعد دیگر انصار نے بھی آپ کی بیعت کر لی۔ یہ بیعت، بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے اور یہ ۱۳ نبوی میں ہوئی تھی۔

ہجرت مدینہ

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ ایک ایک کر کے مدینہ ہجرت کر جائیں چنانچہ صحابہ قریش کی نظروں سے چھپ چھپا کر آہستہ آہستہ ہجرت کرنے لگے جب قریش نے یہ حالات دیکھے تو انہیں یقین ہو گیا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مدینہ ہجرت کر جائیں گے مدینہ کا شہر شام کو جانے والے تجارتی قافلوں کے راستے میں پڑتا تھا۔ قریش کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر محمد مدینہ چلے گئے تو یہ امر نہ صرف دینی لحاظ سے ان کے لئے خطرے کا پیش خیمہ ثابت ہوگا

بلکہ ان کی تجارت بھی خطرے میں پڑ جائے گی جس پر ان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ چنانچہ سرداران قریش "دار الندوہ" میں جمع ہوئے اور اس صورت حال کے تدارک کی تدبیر سوچنے لگے۔ ایک نے کہا۔

"ہمیں چاہیئے کہ محمدؐ کو مکہ سے نکال دیں تاکہ ہمیں اطمینان کا سانس نصیب ہو"

لیکن اس رائے پر اتفاق نہ ہو سکا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے اگر اسے مکہ سے نکال دیا تو وہ اپنی جادو بیانی اور طلاقت لسانی کی بدولت اپنے گرد بھاری جمعیت اکٹھی کر کے ہمارے لئے خطرے کا باعث بن جائے گا۔

ایک شخص نے رائے دی کہ ہمیں اسے بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر دینا چاہیئے اور مختلف ایذائیں دے کر ختم کر دینا چاہیئے۔

لیکن یہ رائے بھی قابل قبول نہ ہوئی کیونکہ خطرہ تھا کہ قید کرنے کی صورت میں مسلمان اور حضورؐ کا اہل مدینہ بلہ بول کر آپ کو چھڑا لیں گے اور اس طرح اہل مکہ اور اہل مدینہ کے درمیان خونریز جنگ چھڑ جائے گی۔

بالآخر ابو جہل نے آپ کے قتل کی رائے دی اور کہا کہ اس غرض کے لئے ہر قبیلے سے نوجوان لے لیا جائے۔ یہ لوگ محمدؐ کے مکان کے گرد جا کر گھیرا ڈال لیں اور جونہی وہ باہر نکلے یکبارگی حملہ کر کے اسے قتل کر دیں۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ محمدؐ کا خون تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا۔ چونکہ بنو عبد مناف تمام قبائل سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے وہ مجبوراً دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ جو ہم ادا کر دیں گے۔

اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا اور ایک رات اس ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مقرر کر لی گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان کے ارادوں کی اطلاع دے دی اور آپ کو ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ جب مقررہ رات آئی اور قبائل مکہ کے نوجوانوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا، تو آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لیٹ جانے کا حکم دیا تاکہ قریش کو جو دروازے کی درزوں میں سے جھانک رہے تھے، یہ اطمینان رہے کہ آپ بستر پر آرام کر رہے ہیں۔ آپ نے انہیں یہ بھی حکم دیا کہ میرے پاس لوگوں کی کچھ امانتیں ہیں۔ صبح ہونے پر وہ امانتیں لوگوں کو ادا کر دینا اور پھر مدینہ پہنچ جانا۔

جب کافی رات گذر گئی تو آپ گھر سے باہر نکلے اور قریش کے خونخوار نوجوانوں کے درمیان میں سے ہوتے ہوئے غار ثور کا رخ کیا جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے ساتھ تھے۔ صبح کو جب کفار کو معلوم ہوا کہ محمد صاف نکل گئے تو ان کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے اور انہوں نے آپ کی تلاش میں لوگوں کو ادھر ادھر دوڑایا مگر بے سود۔ تین دن بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار سے نکلے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ مدینہ روانہ ہو گئے۔

قبا میں آمد

مدینہ مکہ سے وہ اڑھائی سو میل کے فاصلہ پر بجانب شمال واقع ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ سفر آٹھ روز میں طے کیا اور ۲ ربیع الاول ۱۴ نبوی کو مدینہ کے پاس پہنچے اسلامی سن کا شمار اسی واقعہ ہجرت سے ہوتا ہے

اہل مدینہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکہ سے روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا اور وہ بڑی بے چینی سے آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ حضور تشریف لا رہے ہیں تو ان کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے اور وہ فوراً ہتھیار سنبھالتے ہوئے باہر نکل آئے۔

مدینہ کے قریب پہنچکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی خیال کے ماتحت شہر میں داخل نہیں ہوئے بلکہ خاص شہر سے دو اڑھائی میل کے فاصلہ پر مدینہ کی ایک بیرونی آبادی قبا میں تشریف لے گئے اور ایک مخلص انصاری حضرت ام کلثوم بن الہدم کے مکان پر بطور مہمان ٹھہرے۔ تین روز بعد حضرت علیؓ بھی لوگوں کی امانتیں ادا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

مسجد قبا کی تعمیر

قبا میں پہنچکر سب سے پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ اپنے دست مبارک سے ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو چند ہی روز میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو اسلام میں بنائی گئی۔

مدینہ میں تشریف آوری

دس بارہ روز تک قبا میں قیام کرنے کے بعد آپ جمعہ کے روز مدینہ کو روانہ ہوئے راستہ ہی میں جمعہ کا وقت آگیا اور آپ نے بنو سالم بن عوف کے محلہ میں ٹھہر کر خطبہ ارشاد فرمایا اور جمعہ کی نماز پڑھائی۔ یہ پہلا باقاعدہ جمعہ تھا جو پڑھا گیا۔ جمعہ سے فارغ ہو کر آپ کا قافلہ آگے بڑھا۔ شہر میں اس دن گویا عید تھی۔ لوگ سج دھج کر نکلے۔ مسلمان عورتیں اور لڑکیاں خوشی کے جوش میں اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر یہ گیت گاتی تھیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ۔ مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا ۔ مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

(آج ہم پر وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کے چاند نے طلوع کیا ہے۔ اس لئے اب ہم پر ہمیشہ کے لئے خدا کا شکر واجب ہو گیا)

ہر ایک انصاری اس بات کا خواہش مند تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف اسے حاصل ہو۔ لوگ آگے بڑھ بڑھ کر آپ کی اونٹنی کی رکاب پکڑتے تھے۔ اس حالت کو دیکھ کر آپ نے فرمایا میری اونٹنی کو چھوڑ دو یہ اس وقت مامور ہے یعنی جہاں خدا کا منشاء ہو گا وہاں یہ خود بیٹھ جائے گی۔ چنانچہ اونٹنی اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں بعد میں مسجد نبوی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرات تعمیر ہوئے۔ آپ اونٹنی سے اتر آئے اور دریافت فرمایا کہ یہاں قریب ترین کس مسلمان کا مکان ہے حضرت ابو

انصاری نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ حضور یہاں سے سب سے قریب گھر میرا ہے حضور میرے ہاں قیام فرمائیں۔ چنانچہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سامان اٹھا کر اپنے گھر میں لے گئے۔ حضور نے انکے مکان میں سات ماہ تک قیام فرمایا۔

تعمیر مسجد نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی جس جگہ جا کر ٹھہری تھی وہ ایک ویران سی جگہ تھی جو دو یتیموں کی ملکیت تھی۔ اس کے ایک حصہ میں اونٹ بندھتے تھے ایک طرف کچھ قبریں تھیں۔ کچھ درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اس زمین کو خرید کر اس جگہ ایک مسجد تعمیر کی۔ اس مسجد کے بنانے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر صحابہ کے ساتھ شریک تھے۔ مسجد کیا تھی سادگی کا ایک کامل نمونہ تھا۔ کچی دیواریں، کھجور کے ستون، کھجور کی شاخوں اور پتوں کی چھت، کچا فرش۔ جب بارش ہوتی تو پانی اندر گر کر کیچڑ ہو جاتی تھی۔ اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے بعد میں سنگریزے بچھا دیئے گئے۔ مسجد کے ایک سرے پر ایک چھپا ہوا چبوترہ تھا۔ یہاں وہ لوگ رہتے تھے جو اپنا گھر بار نہ رکھتے تھے اور اصحاب صفہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ گویا مسجد کے ساتھ درسگاہ کی بنیاد تھی کیونکہ یہ لوگ اپنا وقت تعلیم دین پر ہی صرف کرتے تھے۔ اسی مسجد کے ساتھ ملے ہوئے دو حجرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے لئے بنائے گئے۔ بعد میں جب اور ازواج مطہرات سے آپ نے نکاح

سکے تو ان کے لئے مزید حجرے بننے گئے ان سب کے دروازے مسجد میں بھی کھلتے تھے اور ان میں سے گزر کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز وغیرہ کے لئے تشریف لاتے تھے۔

مواخاۃ انصار و مہاجرین

نماز کے انتظام کے بعد دوسری ضرورت مہاجرین کا انتظام کرنا تھا تاکہ جب تک اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی سہولت کی راہ کھولے ان کی رہائش وغیرہ کا ٹھیک انتظام ہو جائے۔ تمام مہاجرین نہایت بے سرو سامانی کی حالت میں مدینہ پہنچے اور اپنے اموال اور جائدادیں مکہ میں چھوڑ آئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تکالیف کا یہ علاج تجویز فرمایا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت قائم کرا دیا جو دنیوی رشتوں سے بدرجہا زیادہ مضبوط تھا۔ اس طرح مہاجرین اور انصار باہم بھائی بھائی بن گئے۔ ہر انصاری اپنے مہاجر بھائی کے لئے اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لئے نظر آتا تھا۔ ابتداء میں تو مہاجر اور انصار بھائیوں کے درمیان سلسلۂ وراثت بھی جاری تھا۔ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تھا تو اس کی وراثت میں سے اس کے دینی بھائیوں کو بھی حصہ ملتا تھا۔ لیکن بعد میں خدائی احکام کے تحت یہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔ اور صرف حقیقی رشتے داروں کو وراثت کا حقدار تسلیم کیا گیا۔

یہود کے ساتھ معاہدہ

تیسری بڑی ضرورت جس کی طرف مدینہ میں آتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توجہ فرمائی، مدینہ کی مختلف قوموں میں باہم اتحاد پیدا کرنا تھا۔ مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج ان کے علاوہ یہود کے بھی تین طاقتور قبائل آباد تھے بنو قینقاع نضیر اور بنو قریظہ پہلے یہ تمام قبائل آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین، اوس، خزرج اور یہود کے سرداروں کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ مدینہ کے باشندوں کی حفاظت اور با امن زندگی بسر کرنے کے لئے مختلف قبائل کے درمیان ایک تحریری معاہدہ ہونا چاہیئے جس کی رو سے تمام قبائل ایک دوسرے کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ تمام کی رضامندی سے ایک معاہدہ لکھا گیا جس کی موٹی موٹی شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔

(۱) مسلمان اور یہودی آپس میں ہمدردی اور اخلاص سے رہیں گے۔

(۲) دونوں قوموں کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

(۳) اگر یہودیوں یا مسلمانوں کے خلاف کوئی قوم جنگ کرے گی تو فریقین کا فرض ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کی امداد کریں۔

(۴) اگر مدینہ پر حملہ ہو تو سب مل کر اس کی مدافعت کریں گے۔

(۵) قریش مکہ اور ان کے معاونین کو یہود کی طرف سے کسی قسم کی پناہ اور امداد

نہیں دی جائے گی۔

(۶) ہر قسم کے اختلافات اور تنازعات کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کریں گے جو ہر قوم کی اپنی شریعت کے مطابق ہوگا۔

(۷) اس معاہدہ کی رو سے کوئی ظالم یا آثم یا مفسد اس بات سے محفوظ نہیں ہوگا کہ اسے سزا دی جائے یا اس سے انتقام لیا جائے۔

اس معاہدہ کے باعث مدینہ میں ایک قسم کی منظم حکومت قائم ہوگئی جس کے سربراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار پائے۔

مشرکین مدینہ کے نام قریش مکہ کا تہدیدی مکتوب

جب قریش مکہ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں زبردست اثر و نفوذ حاصل ہو رہا ہے تو انہوں نے قبیلۂ خزرج کے ایک سردار عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کے نام ایک تہدیدی خط لکھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ یا تو اسے اپنے ہاں سے نکال دو ورنہ ہم سب مل کر تم پر حملہ آور ہوں گے تمہارے مردوں کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنا لیں گے۔"

عبداللہ بن ابی بن سلول مسلمانوں سے پہلے ہی خار کھائے بیٹھا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے باعث اس کی سیادت ختم ہو چکی

تھی اس لئے وہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت حکمت عملی سے اس ارادہ سے باز رکھا۔

قریش کا تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کیخلاف اکسانا

جب قریش کو اس منصوبے میں کامیابی نہ ہوئی تو انھوں نے دیگر قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف اکسانا شروع کیا۔ چونکہ قریش کو عرب میں ایک خاص اہمیت حاصل تھی اس لئے ان کے اکسانے سے تمام قبائل عرب نے اپنی اپنی جگہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور اس بات کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان خونخوار اور وحشی عربوں کو اس ظلم سے باز رکھنے کے لئے کوئی موثر قدم نہیں اٹھائیں گے تو یہ تھوڑے ہی عرصہ میں مدینہ میں بھی مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیں گے اس لئے آپ نے اردگرد کے حالات کی خبر رکھنے کے لئے صحابہ کے چھوٹے چھوٹے دستوں کو باہر بھیجنا شروع کر دیا تا کہ اول تو دشمنوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ مسلمان ان کے منصوبوں سے بے خبر نہیں دوم بعض قبائل کو غیر جانبدار رکھنے کی کوشش کی جائے۔

ان مہموں کا یہ اثر ہوا کہ بعض قبائل کو تو معلوم ہو گیا کہ مسلمان اتنے کمزور نہیں جتنے انھوں نے سمجھے ہوئے ہیں اور بعض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کر لیا اور اس طرح ایک حد تک مسلمانوں نے مدینہ کے اطراف میں رسوخ پیدا کر لیا۔

کرز بن جابر کا حملہ

مگر مسلمانوں کی اس قدر حزم و احتیاط کے باوجود قریش نے اپنے لئے شرارت کا راستہ پیدا کر ہی لیا اور وہ اس طرح کہ مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے قریش کے ایک راستہ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک چراگاہ پر اچانک حملہ کر دیا اور اونٹ وغیرہ لے کر چلتا بنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافی دور تک اس کا تعاقب کیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔

سریہ عبداللہ بن جحش

قریش کی اس قدر جرأت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطرہ پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ مکہ میں مسلمانوں کے خلاف کوئی منظم لشکر تیار کیا جا رہا ہو آپ نے اس قسم کے کسی امکانی حملہ کا سدِ باب کرنے اور قریش کے حالات سے خفیہ طور پر آگاہی حاصل کرنے کے لئے عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں آٹھ مہاجرین کا ایک دستہ مکہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نخلہ میں بھیجا۔ لیکن ان کو وہاں پہنچے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک قریش کا ایک قافلہ بھی آ پہنچا جو طائف سے مکہ کی طرف جا رہا تھا۔ اب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہو گئیں۔ مسلمانوں نے سوچا کہ گو ہمارے آنے کا مقصد خفیہ خفیہ خبر رسانی ہے لیکن اب قریش نے ہمیں دیکھ لیا ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ اگر

قافلہ بچ کر نکل گیا تو خبر رسانی کا راز مخفی نہیں رہے گا۔ لہٰذا ان پر حملہ کر کے انہیں ختم کر دینا چاہیئے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کا ایک آدمی عمرو بن الحضرمی مارا گیا اور دو قید ہو گئے۔ لیکن چونکہ قافلہ بچ کر نکل گیا اور اس طرح یہ تجویز کامیاب نہ ہو سکی۔

جب مسلمانوں نے اس قافلہ پر حملہ کیا تو اتفاق سے رجب کا آخری دن تھا۔ رجب کے مہینے کا شمار ان چار مہینوں میں ہوتا ہے جن میں عرب جنگ و جدال کرنا حرام سمجھتے تھے۔ اسلام چونکہ سلامتی اور امن کا دین ہے اس لئے اس نے بھی ان چار مہینوں کی حرمت کو قائم رکھا تھا۔ جب عبداللہ بن جحش مدینہ واپس آئے اور یہ مشہور ہوا کہ وہ ممنوعہ مہینے میں کفار سے لڑے تو مسلمانوں نے اس پر سخت اعتراض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی فرمایا کہ میں نے تمھیں ممنوعہ مہینوں میں لڑنے کا حکم نہیں دیا۔ عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھی اپنے اس فعل پر نادم ہوئے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد کیا۔

جنگ بدر

قریش مکہ تو مدت سے جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے اور اس سلسلہ میں وہ پہلا قدم مسلمانوں کی ایک چراگاہ پر حملہ کرنے سے اٹھا بھی چکے تھے۔ اب عمرو بن حضرمی کا قتل اہل مکہ کو ابھارنے کے لئے ایک زبردست بہانہ مل گیا۔ چنانچہ ابوجہل وغیرہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کے خلاف خطرناک طور پر اشتعال پیدا کر دیا۔

اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر موصول ہوئی کہ قریش مکہ کا ایک تجارتی
قافلہ ابوسفیان کی سرداری میں شام کی طرف سے مکہ کو واپس آ رہا ہے۔ چونکہ اس قافلہ
میں کفار نے زبردست سرمایہ اس غرض سے لگا رکھا تھا کہ جو منافع حاصل ہوگا اسے
مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں صرف کیا جائے گا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے روکنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ آپ نے دو صحابیوں کو خبر
رسانی کے لئے روانہ کیا۔ اتفاق سے ابوسفیان کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
اس ارادے کی اطلاع مل گئی اور اس نے فوراً خود ساحل سمندر کی طرف ہٹ کر تیزی
سے سفر کرنا شروع کر دیا۔ قاصد نے مکہ پہنچ کر بڑی وحشت ناک حالت بنا کر چیخنا چلانا شروع
کر دیا۔ اہل مکہ گھبرا کر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اس نے کہا "محمد اور ان کے اصحاب تمہارے
قافلہ کو لوٹنے کے لئے نکلے ہیں چلو اور اسے بچاؤ"۔ چنانچہ فوراً ہی ابوجہل کی سرداری میں
ایک ہزار آدمیوں کا آزمودہ کار لشکر جس میں مکہ کا ہر قابل ذکر آدمی شامل تھا بدر کی جانب
بڑے کر و فر سے روانہ ہو گیا۔ جب یہ لشکر مکہ اور بدر کے درمیان جحفہ مقام پر پہنچا تو ابوسفیان
کے ایک قاصد نے آ کر اطلاع دی کہ قافلہ خطرہ کی جگہ سے بچ کر آ گیا ہے اس لئے اب
لشکر کو آگے جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ابوجہل نے سختی سے انکار کر دیا اور آگے بڑھ کر
بدر کی وادی کے پرلے کنارے پر جا کر ڈیرے ڈال دیئے۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قافلہ کے متعلق معلومات حاصل
کرنے کے لئے جو دو صحابی روانہ کئے تھے وہ ابھی واپس نہ آئے تھے کہ آپ کو کسی مخبر

ذریعہ سے قریش کے لشکر کی آمد کی اطلاع بھی مل گئی۔ لیکن آپ نے اس خبر کو مشہور نہیں کیا مبادا یہ خبر کمزور مسلمانوں کی ہمتوں کو پست کرنے کا موجب ہو، تاہم آپ نے ایک ہوشیار جرنیل کی طرح ایسے رنگ میں تحریک فرمائی کہ بہت سے صحابہ باوجود یہ خیال رکھنے کے کہ یہ مہم قافلہ کی روک تھام کے لئے اختیار کی جارہی ہے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اسلامی لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ جن میں سے ساٹھ مہاجرین تھے اور باقی انصار صحابہ کے بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ سارے لشکر میں صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ جبکہ کفار کے لشکر میں سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے۔

روحاء کے مقام سے آپ نے دو صحابیوں کو دشمن کی نقل و حرکت سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے بدر کی جانب روانہ کیا اور ابھی بدر ایک منزل دور تھا کہ لشکر کے قریب آپہنچنے کی اطلاع موصول ہوئی۔ اب چونکہ اخفاء کا موقع گذر چکا تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہ کو جمع کر کے لشکر کی آمد کی اطلاع دی اور پھر مشورہ پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ اس کے جواب میں صحابہ نے جاں نثارانہ تقریریں کیں۔ مقداد بن اسود نے کہا:

"یا رسول اللہ! اللہ تعالٰے نے آپ کو جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کیجئے ہم دل و جان سے آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسٰی سے کہہ دیا تھا اذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا

قاعدون (تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ اپنے رب کے حکم سے چل کر لڑیں ہم بھی آپ کے دوش بدوش لڑیں گے۔ خدا کی قسم! اگر آپ برک الغماد کی طرف بھی جائیں گے تب بھی ہم آپ کے ہمراہ ہوں گے اور ہرگز آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مقداد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ لیکن دراصل آپ انصار کی رائے لینا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:۔

"لوگو! مجھے مشورہ دو کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔"

انصار بھی سمجھ گئے تھے کہ رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کا منشاء یہ ہے کہ ان کی رائے دریافت کی جائے۔ چنانچہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ جو اپنی بزرگی اور وجاہت کے باعث اوس اور خزرج دونوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، کھڑے ہوئے اور کہا:۔

"یا رسول اللہ! آپ کا روئے سخن شاید ہماری جانب ہے؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں"

انھوں نے عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لا کر گواہی دے چکے ہیں کہ جو کچھ آپ نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے وہ سچ ہے اور خدا کی طرف سے ہے ہم آپ سے

یہ عہد بھی کر چکے ہیں کہ جو کچھ آپ فرمائیں گے۔ دلی ذوق و شوق کے ساتھ سنیں گے اور آپ کے احکام کی کامل اطاعت کریں گے۔ پس یا رسول اللہ! جو کچھ آپ کا ارادہ ہے اسے بلا خوف و خطر عملی جامہ پہنائیے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق بات دے کر مبعوث کیا ہے کہ اگر آپ ہمیں اس سمندر (بحیرۂ قلزم) میں کودنے کا اشارہ کریں گے۔ تو ہم بے دھڑک اور بلا چون و چرا اس حکم کو بجا لائیں گے اور ہمارا ایک بھی فرد اس کام میں پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں دشمن سے مقابلے کا مطلق خوف نہیں ہے ہم جنگ میں کامل ثابت قدمی اور صبر و استقلال کا ثبوت دیں گے اور اللہ تعالےٰ آپ کو وہ نظارہ دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ پس اللہ کا نام لے کر اور اس کی برکت کے طلب گار بن کر کوچ کا حکم دیجئے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سعد کی اس کی اس تقریر سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا:۔

"پھر اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو اور خوش ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہے کہ ہمیں قافلے یا لشکر میں سے ایک مقابلے میں ضرور فتح عطا فرمائے گا۔ میں تو ابھی سے دیکھ رہا ہوں کہ کفار کا کون کون شخص کہاں کہاں گرے گا۔"

قریش کا لشکر وادیٔ بدر میں مسلمانوں کے لشکر سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ اور اس نے اپنے لئے ایسی جگہ تلاش کر لی تھی جہاں پانی اور گھاس وغیرہ افراط سے مل سکتا تھا۔ مسلمان بعد میں پہنچے اس لئے انھیں مجبوراً ایسی جگہ ڈیرہ لگانا پڑا جہاں نہ تو پانی بافراط

مل سکتا تھا اور نہ ہی گھاس وغیرہ کا کوئی معقول انتظام تھا بلکہ اس کی بجائے ریتلا میدان پڑا ہوا تھا۔ لیکن خدا کا یہ فضل ہوا کہ کچھ دیر کے بعد بارش شروع ہو گئی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے حوض بنا بنا کر پانی جمع کر لیا اور ریت کے جمنے کی وجہ سے ان کے پاؤں بھی دھنسنے سے محفوظ ہو گئے لیکن قریش کا یہ حال ہوا کہ اوّل تو ڈھلان ہونے کی وجہ سے ان کی طرف کا پانی گدلا ہو گیا دوسرے کیچڑ ہو جانے کی وجہ سے آدمیوں اور گھوڑوں کے پاؤں پھسلنے لگے۔

اب صفوں کی درستی شروع ہوئی اور لشکر کفار میدان جنگ کی طرف بڑھنا شروع ہوا لیکن جب اسلامی لشکر کی صف بندی ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے کھڑے ہونے کی ترتیب ایسی اعلیٰ رکھی کہ قریش مسلمانوں کی جمعیت دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور انہیں مسلمان اپنی اصل تعداد سے دگنے نظر آنے لگے دوسری طرف مسلمانوں کو قریش ان کی اصل تعداد سے کم نظر آتے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار کے حوصلے پست ہو گئے اور اسلامی لشکر کا دل بڑھ گیا۔ قریش کے چند آدمیوں نے کوشش بھی کی کہ جنگ نہ ہو مگر ابوجہل کے سامنے کسی کی پیش نہ گئی اور قریش کے لشکر کو مقابلہ کرتے ہی بن پڑی۔ دستور کے مطابق پہلے انفرادی لڑائی ہوئی۔ کفار کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید نے آگے بڑھ کر مبارز طلبی کی مسلمانوں کی طرف سے چند انصار نے ان کے مقابلے کے لئے جانا چاہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں روک کر حضرت حمزہؓ حضرت علیؑ اور حضرت عبیدہؓ بن مطلب کو ان کے مقابلے کے لئے بھیجا چنانچہ

حضرت حمزہؓ عتبہ کے، حضرت علی شیبہ کے اور حضرت عبیدہ، ولید کے مقابل ہو گئے حضرت حمزہؓ اور حضرت علی نے تو ایک وہ وار دں ہیں ہی اپنے حریفوں کا کام تمام کر دیا لیکن حضرت عبیدہ اور ولید دونوں ایک دوسرے کی ضربوں سے زخمی ہو کر گر پڑے حضرت عبیدہ کی اس حالت کو دیکھ کر حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ فوراً آگے بڑھے اور ولید کا خاتمہ کر کے عبیدہ کو اٹھا کر کیمپ میں لے آئے لیکن وہ اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے۔

اس انفرادی مقابلہ کے بعد مسلمانوں کو کچھ نصائح فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سائبان میں تشریف لے گئے حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ابھی آپ کو سائبان میں گئے ہوئے تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ لشکر کفار نے عام دھاوا بول دیا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر ان الفاظ میں دعا کی۔

"اے میرے خدا اپنے وعدوں کو پورا کر۔ اے میرے مالک! اگر مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت آج اس میدان کارزار میں ہلاک ہو گئی۔ تو دنیا میں تیری پرستش کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔"

اب لڑائی کا بازار خوب گرم تھا۔ مہاجرین نے دشمن کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں۔ انصار کے جوش کا یہ عالم تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف بیان کرتے ہیں کہ عین گھسان کے رن میں جب میں نے اپنے دائیں بائیں نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ انصار کے دو نوعمر نوجوان میرے دائیں بائیں کھڑے ہیں انہیں دیکھ کر میرا دل کچھ بیٹھ سا گیا۔ کیونکہ ایسے معرکوں

میں آس پاس کے ساتھیوں پر لڑائی کا بہت انحصار ہوتا ہے مگر یہ دیکھکر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ایک نوجوان نے آہستہ سے مجھے کہنی مار کر کہا کہ چچا وہ ابو جہل کہاں ہے جو کہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ دیا کرتا تھا۔ میں نے خدا سے عہد کیا کہ یا تو اسے قتل کروں گا۔ یا خود اس کوشش میں مارا جاؤں گا۔ عبدالرحمان بیان کرتے ہیں کہ ابھی میں اس کا جواب ہی دے رہا تھا کہ دوسرے نے بھی آہستہ سے یہی سوال کر دیا۔ ان کی یہ جرأت دیکھ کر میں ششدر رہ گیا مگر میں نے اشارہ کر کے بتا دیا کہ وہ ابوجہل ہے میرا اشارہ کرنا تھا کہ دونوں لڑکے باز کی طرح جھپٹے اور دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے آن واحد میں ابوجہل پر ٹوٹ پڑے اور اس تیزی سے وار کیا کہ ابوجہل اپنے ساتھیوں کے دیکھتے دیکھتے زمین پر جا گرا۔

غرض کیا مہاجر اور کیا انصار پورے جوش وخروش اور اخلاص کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ مگر دشمن کی کثرت اور اس کے ساز و سامان کی زیادتی کچھ پیش نہ جانے دیتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر دعا کر رہے تھے اور آپ کا اضطراب لحظہ بلحظہ بڑھتا جاتا تھا مگر آخر ایک لمبے عرصے کے بعد آپ سجدہ سے اٹھے اور کافی عرصہ پہلے کی نازل شدہ خدائی بشارت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ یعنی کفار کی فوج کو شکست ہوگی اور دشمن پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ کو جواب نئے سرے سے آپ کی زبان پر جاری کی گئی تھی بلند آواز سے سناتے ہوئے سائبان سے باہر نکل آئے۔ باہر آ کر آپ نے پہلے تو ادھر ادھر نظر دوڑائی اور پھر ریت اور کنکر کی ایک مٹھی اٹھا کر کفار کی طرف پھینکی

اور بڑے جوش سے فرمایا شَاھَتِ الوُجُوۡدُ یعنی دشمنوں کے منہ بگڑ گئے اور ساتھ ہی مسلمانوں کو زور سے پکار کر فرمایا یکدم حملہ کر دو۔ مسلمانوں کے کانوں میں اپنے محبوب کی آواز کا پڑنا تھا کہ انھیں نے تکبیر کا نعرہ بلند کر کے یک دم ہلہ بول دیا دوسری طرف آپ کا مٹھی بھر کا پھینکنا تھا کہ ایسی زور کی آندھی چلی کہ کفار کی آنکھیں منہ اور ناک تمام کے تمام ریت اور کنکر سے بھر گئے۔ آپ نے فرمایا یہ خدائی فرشتوں کی فوج ہے جو ہماری نصرت کو آئی ہے مسلمانوں کے اس فوری دھاوے اور آندھی کے اچانک جھونکے کے نتیجہ میں قریش کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان کے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی اور ان کی آن میں میدان صفا ہو گیا۔

اس جنگ میں مسلمانوں نے ستر قیدی پکڑے اور جب مقتولین کی پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ یہی تعداد قریش کے مقتولین کی بھی تھی جن میں قریباً قریباً سارے سرداران قریش شامل تھے مسلمان شہداء کی دیکھ بھال سے معلوم ہوا کہ صرف چھ مہاجرین اور آٹھ انصار ہیں مسلمانوں نے مقتولین اور شہداء کو دفن کیا اور قیدیوں اور مال غنیمت کو جمع کر کے واپس مدینہ تشریف لائے گو تمام کے تمام قیدی جنگ کی رو سے واجب القتل تھے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر شخص کے مناسب حال فدیہ ایک ہزار سے چار ہزار درہم تک مقرر کر دیا جائے جسے وہ ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہے۔ جو قیدی لکھنا جانتے تھے ان سے یہ فدیہ کافی سمجھا گیا کہ وہ مسلمانوں کے دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھا دیں۔

اس جنگ میں جو کامیابی مسلمانوں کو ہوئی اس نے قریش کی ہمت کو توڑ دیا اور ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ یہودی اور ارد گرد کے قبائل بھی اسلام کی طاقت کو محسوس کرنے لگے اور مسلمانوں کا رعب قائم ہو گیا۔ جنگ بدر ۱۷ رمضان ۲ھ کو ہوئی۔

حضرت عائشہؓ کا رخصتانہ

حضرت عائشہؓ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ ہی میں ہو چکا تھا لیکن چونکہ ابھی تک آپ رخصتانہ کی عمر کو نہیں پہنچی تھیں اس لئے کچھ عرصہ تک بدستور اپنے والدین کے گھر میں مقیم رہیں لیکن اب ہجرت کے دوسرے سال جبکہ ان کے نکاح پر پانچ سال گذر چکے تھے اور ان کی عمر بارہ سال کی ہو چکی تھی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر رخصتانہ کی تحریک کی جس پر ماہ شوال ۲ھ میں حضرت عائشہ اپنے والدین کے گھر سے رخصت ہو کر حرم نبوی میں داخل ہو گئیں۔

حضرت فاطمہؓ کا نکاح

حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں جب ان کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے یکے بعد

دیگرے شادی کے پیغامات بھیجے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کی درخواستوں کو منظور نہ کیا اس کے بعد ان دونوں بزرگوں نے یہ سمجھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ حضرت علیؓ کے متعلق معلوم ہوتا ہے، حضرت علی سے تحریک کی حضرت علیؓ تو پہلے ہی خواہش مند تھے مگر حیا کی وجہ سے خاموش تھے۔ اب ان بزرگوں کی تحریک پر فوراً دربار نبوی میں حاضر ہو کر رشتہ کی درخواست پیش کر دی آپ نے فرمایا مجھے تو پہلے ہی سے خدائی اشارہ ہو چکا ہے۔ پھر آپ نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا وہ بوجہ حیا خاموش رہیں یہ ایک طرح سے اظہار رضا تھا اس کے بعد آپ نے مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو جمع کر کے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا نکاح پڑھ دیا رخصتانہ ذوالحجہ ۲ھ میں ہوا۔

غزوہ بنو قینقاع

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ میں یہود کے تین بڑے بڑے قبائل آباد تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ آپ نے ان کے ساتھ امن وامان سے رہنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ کر لیا تھا۔ شروع شروع میں تو انہوں نے اس معاہدہ کا پاس رکھا لیکن جنگ بدر کے بعد مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر ان کے دلوں میں حسد کی جلن پیدا ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کے اندر پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ایک مرتبہ

اوس وخزرج کے کچھ مسلمان آپس میں پیار و محبت کی باتیں کر رہے تھے کہ بعض فتنہ پرداز یہودنے کسی طرح ان میں جنگ بعاث کی یاد کو تازہ کر دیا۔ بس پھر کیا تھا مسلمانوں نے ایک دوسرے کے خلاف تلواریں کھینچ لیں۔ اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس کی خبر مل گئی آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ اب جبکہ تمہیں خدا تعالےٰ نے اسلام کے ذریعے بھائی بھائی بنا دیا ہے تمہیں کیا ہوا کہ تم پھر جہالت کی روش اختیار کرتے ہو۔ انصار اس نصیحت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اپنی اس حرکت سے تائب ہو کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔

اس کے علاوہ بھی یہود نے کئی قسم کی شرارتیں کیں۔ لیکن ہر موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چشم پوشی فرمائی اور مسلمانوں کو بھی صبر سے کام لینے کی ہدایت فرماتے رہے۔ مگر یہود کب باز رہنے والے تھے۔ ان کے دلوں میں تو عداوت اور بغض کا بیج بویا جا چکا تھا۔ انہوں نے اپنی شرارتوں میں یہاں تک تجاوز کیا کہ ایک مسلمان خاتون کے ساتھ جو کہ ایک یہودی دوکاندار سے کچھ سودا خرید رہی تھی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ خود دوکاندار نے یہ شرارت کی کہ اس کے تہبند کے نچلے کونے کو اس کی بے خبری کی حالت میں اس کی پیٹھ کے کپڑے سے ٹانک دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ عورت اٹھی تو ننگی ہو گئی اور یہود قہقہہ مار کر ہنسنے لگ گئے۔ مسلمان عورت نے شرم کے مارے ایک چیخ ماری اور مسلمانوں سے مدد کی خواہاں ہوئی۔ اتفاق

سے ایک مسلمان جو کہیں قریب ہی کھڑا تھا لپک کر موقعہ پر پہنچا اور اس یہودی دکاندار کو موت کے گھاٹ اتار دیا مگر نعلاتھا چاروں طرف سے یہود اس پر ٹوٹ پڑے اور وہ غیور مسلمان وہیں شہید ہو گیا۔ مسلمانوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ بھی عزت قومی کی وجہ سے جوق درجوق اس جگہ پہنچے اور ایک بلوہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بنو قینقاع کے سرداروں کو بلا کر کہا کہ تم ان شرارتوں سے باز آجاؤ مگر وہ بجائے اس کے کہ اظہار افسوس کرتے اور آئندہ کے لئے امن رہنے کا عہد کرتے، نہایت ہی تمردانہ لہجہ میں بولے۔

"اے محمد! تم شاید قریش کو قتل کر کے مغرور ہو گئے ہو۔ وہ لوگ لڑائی کے فن سے ناواقف تھے، اگر ہمارے ساتھ تمہارا مقابلہ ہوا تو تمہیں پتہ لگ جائے گا"

ناچار آپ صحابہ کی ایک جمعیت لے کر بنو قینقاع کے قلعوں کی طرف روانہ ہوئے اور متواتر پندرہ روز تک ان کا محاصرہ کئے رکھا۔ آخر انھوں نے اس شرط پر دروازے کھولے کہ ان کے اموال مسلمانوں کے ہوں گے مگر ان کی جانوں اور اہل و عیال پر مسلمانوں کا کوئی حق نہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ شرط منظور کر لی اور بنو قینقاع کے تمام لوگ مدینہ سے نکل کر شام کی طرف چلے گئے اور اس طرح مدینہ اس خطرناک عنصر سے پاک ہو گیا۔ یہ غزوہ ۲ھ کے آخر میں ہوا۔

حضرت ام کلثومؓ کی شادی

حضرت عثمانؓ کی پہلی بیوی حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تھیں جب حضور جنگ بدر کے لئے تشریف لے جانے لگے تو وہ سخت بیمار ہو گئیں اور چند ہی دنوں میں ان کی وفات ہو گئی۔ ان کی وفات کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم کی شادی حضرت عثمان سے کر دی اسی وجہ سے حضرت عثمان کو ذوالنورین یعنی دو نوروں والا کہا جاتا ہے یہ شادی ربیع الاول ۳ھ میں ہوئی۔

حضرت حفصہ سے شادی

جنگ بدر کے بعد حضرت عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہ کے پہلے خاوند حنین بن حذافہ بیمار ہو کر فوت ہو گئے تھے۔ ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفصہ کے لئے پیغام بھیج دیا حضرت عمر نے نہایت خوشی سے اس رشتہ کو قبول فرمایا۔ اور شعبان ۳ھ میں حضرت حفصہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آکر حرم نبوی میں داخل ہو گئیں اس وقت ان کی عمر بیس سال سے کچھ زیادہ تھی۔

حضرت امام حسنؓ کی ولادت

رمضان ۳ھ میں حضرت علی و حضرت فاطمہؓ کے ہاں پہلا بچہ پیدا ہوا جو

کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنؓ رکھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے بڑی محبت فرماتے تھے۔

جنگ اُحد

جنگ بدر کے بعد بقیتہ السیف سرداران قریش نے قسمیں کھائی تھیں کہ جب تک مقتولین بدر کا انتقام نہ لے لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔ اس غرض کے لئے انہوں نے تمام قبائل عرب کا دورہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے مشہور و مشہور جنگجو قبائل مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ جنگ بدر کے موقع پر جو تجارتی قافلہ شام سے ابوسفیان کی سرداری میں آیا تھا اس کا سارا منافع قریش کے فیصلے کے مطابق دارالندوہ میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کرنے کے لئے محفوظ پڑا تھا۔ اب اس روپے کو نکالا گیا اور بڑے زور شور سے جنگ کی تیاری شروع ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی خبر ملنے پر جنگی تیاری شروع کر دی۔

رمضان ۳ھ میں ابوسفیان تین ہزار کا لشکر جرار لے کر مکہ سے نکلا اور گیارہ دن کی مسافت طے کر کے مدینہ سے شمال کی طرف تین میل کے فاصلے احد کی پہاڑی کے پاس جا کر ٹھہر گیا لشکر میں بھاری سامان جنگ کے علاوہ تین ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے بھی تھے نیز اشتعال انگیز اشعار گا کر قومی غیرت کو ابھارنے والی عورتیں بھی ساتھ تھیں۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ رائے تھی کہ مدینہ ہی میں ٹھہر کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے بعض اکابر صحابہ نے بھی آپ کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا منافقین کے مشہور سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے بھی یہی مشورہ دیا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے ہمیں مدینہ کے اندر رہ کر ہی اس کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ لیکن اکثر صحابہ اور خصوصاً نوجوانوں نے جنھیں جنگ بدر میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا بڑے اصرار سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! ہمیں باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جوش کو دیکھ کر ان کی بات مان لی۔ چنانچہ آپ ایک ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر جن میں صرف دو گھوڑے اور ایک سو زرہ پوش تھے مدینہ سے نکلے راستے میں سے عبداللہ بن ابی سلول یہ کہہ کر اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس مدینہ چلا گیا کہ چونکہ محمدؐ نے میری بات نہیں مانی اور نا تجربہ کار نوجوانوں کے کہنے میں آکر باہر نکل آئے ہیں اس لئے میں ان کے ساتھ ہو کر نہیں لڑ سکتا۔ کیونکہ اس طرح لڑنے میں سوا اس کے ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیں اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

اب اسلامی لشکر کی تعداد سات سو رہ گئی اور بالمقابل کفار تین ہزار کی تعداد میں تھے اور پھر سواری اور سامان حرب کے لحاظ سے بھی اسلامی لشکر ان کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ عبداللہ بن ابی کی واپسی کو دیکھ کر بعض مسلمان متزلزل ہونے لگے مگر چونکہ دل میں نور ایمان تھا اس لئے پھر سنبھل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے اُحد کے دامن میں ڈیرے ڈال

دیئے۔ فوج کی پشت کی طرف پہاڑی میں ایک درہ تھا جہاں سے حملہ ہو سکتا تھا۔ اس کی حفاظت کے لئے آپ نے عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں پچاس تیراندازوں کو متعین فرما دیا اور ان کو تاکید فرمائی کہ خواہ کچھ ہو جائے جب تک میں نہیں حکم نہ بھیجوں تم اس درہ کو نہ چھوڑنا۔

عام جنگ سے پہلے طرفین کے لشکروں میں سے حضرت علی اور طلحہ علمبردار قریش کا مقابلہ ہوا۔ حضرت علی نے دو چار ہاتھ میں ہی طلحہ کو کاٹ کر رکھ دیا اس کے بعد طلحہ کا بھائی عثمان نکلا ادھر سے حضرت حمزہ نکلے اور جاتے ہی اس کا خاتمہ کر دیا۔ کفار نے یہ نظارہ دیکھ کر عام دھاوا بول دیا مسلمان بھی آگے بڑھے اور دونوں فوجیں گتھم گتھا ہو گئیں۔ لڑائی ہوئی اور خوب ہوئی۔ قریش کے نو علمبردار یکے بعد دیگرے مارے گئے آخر میں ایک حبشی غلام صواب نے جھنڈا ہاتھ میں لیا جب وہ بھی مارا گیا تو کفار کی فوج میں بھاگڑ مچ گئی۔ تھوڑی دیر میں میدان بالکل صاف ہو گیا اور مسلمان مال غنیمت کے جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔

عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے جب دیکھا کہ فتح ہو چکی ہے اور مسلمان مال غنیمت جمع کر رہے ہیں تو انھوں نے بھی عبداللہ سے اجازت طلب کی۔ مگر عبداللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد دکھلا کر انہیں روکا۔ لیکن وہ یہ کہتے ہوئے نیچے اتر گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صرف یہ مطلب تھا کہ جب تک پورا اطمینان نہ ہو جائے درہ خالی نہ چھوڑا جائے اور اب چونکہ فتح ہو چکی ہے اس لئے جانے میں کوئی حرج نہیں

چنانچہ سوائے عبداللہ بن جبیر اور ان کے چند ساتھیوں کے درہ میں کوئی باقی نہ رہا قریش
کے ایک سردار خالد بن ولید کی دور بین آنکھوں نے درہ کو صاف دیکھ کر فوراً حملہ کر دیا
عکرمہ بن ابو جہل بھی اپنے دستے کو لے کر تیزی سے میدان میں پہنچ گیا۔ مسلمان اس آفت نا
سے گھبرا گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ نہایت بہادری سے
لڑ رہے تھے کہ جبیر بن مطعم (جس کے چچا کو حضرت حمزہؓ نے بدر میں تلوار کے گھاٹ اتارا تھا)
کے ایک حبشی غلام وحشی نامی نے جس کو خاص طور پر انعام کا وعدہ دیا گیا تھا، چھپ کر
چھوٹے سے نیزہ کے ساتھ حضرت حمزہ پر وار کیا۔ حضرت حمزہ لڑکھڑا کر گر پڑے، اور اسی جگہ
جان دے دی۔

لڑائی پوری شدت سے جاری تھی کہ اچانک قریش کے ایک سپاہی عبداللہ
بن قمیئہ نے مسلمانوں کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر کو شہید کر دیا۔ جھنڈا تو کسی دوسرے
مسلمان نے فوراً آگے بڑھ کر تھام لیا مگر چونکہ مصعبؓ کا ڈیل ڈول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے ملتا جلتا تھا، اس لئے کفار نے مشہور کر دیا کہ ہم نے محمد کو قتل کر دیا ہے۔ اس خبر کا پھیلنا
کہ مسلمانوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ تاہم ان میں سے ایک گروہ برابر لڑتا
بعض لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر مایوسی کے عالم میں ایک
طرف بیٹھ گئے تھے انھیں بھی جوں جوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زندہ موجود ہونے
کا پتا لگتا جاتا تھا، دیوانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہوتے چلے جاتے تھے لیکن جب
کا حملہ اپنی انتہائی شدت اختیار کر لیتا تھا تو یہ گنتی کے چند لوگ ادھر ادھر دھکیل دیے

جاتے تھے اسی دوران میں موقع تاک کر ایک کافر نے آپ پر پتھر پھینکا جس سے آپ کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ ابھی تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کہ ایک اور پتھر آپ کی پیشانی پر پڑا تھوڑی ہی دیر بعد ابن قمیہ نے ایک تیسرا پتھر اس زور سے پھینکا کہ اس کی ضرب سے آپ کی زرہ کی دو کڑیاں آپ کی رخسار مبارک میں چبھ گئی تھیں

اس وقت نہایت خطرناک لڑائی ہو رہی تھی اور بعض اوقات تو ایسا خطرناک حملہ ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گنتی کے چند لوگ رہ جاتے تھے اسی گھمسان کے رن میں عبداللہ بن قمیۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرنے کے ارادہ سے آگے بڑھا اور مسلمانوں کی صفوں کو چیرتا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچ گیا قریب پہنچکر اس زور سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ مبارک پر وار کیا کہ صحابہ کے دل دہل گئے۔ حضرت طلحہؓ نے وار اپنے ہاتھ پر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تلوار حضور کے چہرہ پر پڑنے کی بجائے پہلو پر پڑی زخم تو خدا کے فضل سے نہ آیا مگر اس صدمہ سے آپ چکرا کر گر گئے۔ اور ابن قمیہ نے پھر خوشی کا نعرہ بلند کیا کہ میں نے محمدؐ کو مار لیا ہے

ابن قمیۂ تو وار کر کے واپس چلا گیا مگر حضرت علی اور طلحہؓ نے فوراً آپ کو اوپر اٹھا لیا مسلمانوں کو جب معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ موجود ہیں تو اُن کے پژمردہ چہرے خوشی سے تمتما اٹھے اب لڑائی کا زور کم ہو چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو لے کر قریب کی ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ قریش کے ایک دستہ نے پہاڑی پر چڑھ کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا مگر مسلمانوں نے تیر مار مار کر

انہیں پیچھے ہٹا دیا۔

پہاڑی پر پہنچکر جب ذرا سکون ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی کی مدد سے اپنے زخم دھوئے اور زرہ کی جو دو کڑیاں آپ کے رخسار مبارک میں چبھ کر رہ گئی تھیں وہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے بڑی مشکل سے اپنے دانتوں سے نکالیں حتیٰ کہ اس کوشش میں ان کے دو دانت بھی ٹوٹ گئے۔

تھوڑی دیر بعد حضرت فاطمۃ الزہراؓ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ وحشتناک خبر سن کر آگئیں اور ایک چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ آپ کے زخم پر باندھی جس سے آپ کا خون بند ہو گیا۔ اسی طرح دوسرے زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی۔

دوسری طرف کفار کا لشکر میدان میں پھیل گیا اور مسلمان شہداء کی لاشوں کا مثلہ کرنا شروع کیا۔ ابو سفیان کی بیوی ہندہ حضرت حمزہؓ کا جگر نکال کر چبا گئی۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد ابو سفیان لشکر کفار کے ہمراہ مسلمانوں سے کہتا ہوا واپس روانہ ہو گیا کہ آئندہ سال اسی میدان میں ہمارا اور تمہارا مقابلہ پھر ہو گا۔ کفار کے واپس جانے کے بعد مسلمان بھی نیچے اتر آئے اور اپنے شہداء کی نعشوں کی دیکھ بھال کی۔ معلوم ہوا کہ ستر مسلمان شہید ہو گئے ہیں اور عرب کی وحشتناک رسم مثلہ کا مہیب نظارہ پیش کر رہے ہیں۔ نعشوں کی دیکھ بھال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ تمام شہداء کو بغیر غسل دیئے اور بغیر جنازہ پڑھے دفن کر دیا جائے چنانچہ

صحابہ نے عموماً ایک ایک کپڑے میں دو دو صحابیوں کو ایک ایک قبر میں اکٹھا دفن کر دیا۔ اس کے بعد آپ لشکر کو لے کر مدینہ واپس تشریف لے آئے

غزوہ حمراء الاسد

ابوسفیان اور اس کے ساتھی چند مسلمانوں کو شہید کرنے ہی کو غنیمت سمجھ کر مکہ کی طرف چل پڑے تھے۔ جب چند میل کا سفر طے کر چکے تو راستے میں خیال آیا کہ ہم مکہ جا کر فتح کا کیا نشان دکھائیں گے نہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مارا۔ نہ مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنایا نہ کوئی قیدی ساتھ لائے۔ اور نہ ان کے مال و متاع پر قابض ہوئے۔ اگر مکہ والوں نے یہ باتیں پیش کیں تو ہم کیا جواب دیں گے۔ اس خیال کے تحت انھوں نے لوٹ کر مسلمانوں پر پھر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان کے ارادہ کی اطلاع مل گئی آپ نے فوراً مسلمانوں کو تیار رہنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ صرف وہی لوگ ہمارے ساتھ نکلیں جو جنگ احد میں شریک ہوئے تھے۔ چنانچہ اگلے ہی دن آٹھ میل سفر طے کر کے آپ حمراء الاسد پہنچے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی اطلاع ملی تو انہیں مقابلہ کی ہمت نہ پڑی اور کوچ کرنے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔

حرمت شراب

گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچپن ہی سے شراب کو بُرا سمجھتے تھے تاہم حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے بعض مسلمان شراب پینے میں کوئی ہرج نہ سمجھتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انہیں نہ روکتے تھے۔ بالآخر جنگ احد کے بعد ۳ھ کے آخر یا ۴ھ کے شروع میں حرمت شراب کا قطعی حکم آگیا۔ جونہی مسلمانوں نے یہ حکم سنا انہوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے لکھا ہے کہ اس دن مدینہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہہ رہی تھی

واقعہ رجیع

یہ دن مسلمانوں کے لئے بہت خطرہ کے تھے، ہر طرف سے متوحش خبریں آ رہی تھیں۔ کفار مکر و فریب اور دغا و ظلم سے مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ انہی ایام کا ذکر ہے کہ قبائل عضل اور قارہ کے چند لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبائل کے لوگ اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر چند آدمی ہمیں دین سکھانے کے لئے ہمارے پاس بھیج دیں آپ نے دس قاریوں کی ایک جماعت کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا جب یہ لوگ مقام رجیع پر پہنچے تو قبیلہ بنو لحیان کے دو سو سوار

نے ان صحابیوں پر حملہ کر دیا۔ یہ صحابی ساتھ کے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر مقابلہ کے لئے
تیار ہو گئے مگر دس اور دو سو کا مقابلہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے آٹھ تو لڑتے لڑتے شہید ہو گئے لیکن دو
نے جنکے نام خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ تھے کفار کے وعدہ پر اعتماد کر کے اپنے آپ کو
انکے حوالے کر دیا مگر انہوں نے اترتے ہی ان کو اپنی کمانوں کی ندیوں سے جکڑ لیا اور اہل مکہ کے
ہاتھ بیچ دیا جنہوں نے ان دونوں کو شہید کر ڈالا یہ واقعہ صفر ۴ھ کا ہے۔

واقعہ بئر معونہ

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بئر معونہ کا ہے جو صفر ۴ھ ہی میں ہوا۔ بنو عامر اور
بنو سلیم قبیلہ ہوازن میں سے تھے۔ ان کا رئیس ابو براء آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر آپ میرے ساتھ اپنے چند قاری نجد کی
طرف روانہ کریں تو مجھے امید ہے کہ نجدی لوگ ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے آپ
نے فرمایا مجھے تو اہل نجد پر اعتماد نہیں مگر ابو براء نے یقین دلایا کہ نہیں میں ذمہ دار
بنتا ہوں۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ آپ ضرور اپنے ساتھیوں کو بھیج دیں چنانچہ آپ نے
ستر قاری بھیج دیئے۔ جب وہ بئر معونہ کے مقام پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ قبائل بنو
سلیم بنو عامر اور ذکوان وغیرہ کا ایک لشکر ان پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑا ہے انہوں
نے تمام مبلغین کو ایک ایک کر کے شہید کر دیا۔ صرف ایک قاری عمرو بن امیہ ضمیری
جو اونٹوں کو چرانے کے لئے گئے ہوئے تھے بچ سکے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

ما لہٖ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ برابر تیس دن تک ہر روز صبح کی نماز میں نہایت گریہ وزاری کے ساتھ قبائل اعلی اعدذکوان اور عصیہ اور بنو لحیان کا نام لے لے کر خدا تعالےٰ کے حضور یہ دعا کی کہ یا الٰہی! تو ان لوگوں کے ہاتھوں کو روک جو تیرے دین کو مٹانے کے لئے اس بیرحمی اور سنگدلی سے بے گناہ مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں۔

غزوہ بنو نضیر

اگرچہ بنو نضیر نے شروع ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے امن کا معاہدہ کر رکھا تھا لیکن اصل نے قریش مکہ سے برابر ساز باز رکھی اور ایک دفعہ تو یہاں تک جرأت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب ایک کام کے سلسلے میں اپنے چند صحابہ کے ساتھ بنو نضیر کی آبادی میں پہنچے تو جس دیوار کے ساتھ بیٹھے تھے اس پر سے ایک وزنی پتھر آپ پر گرانے کا انھوں نے مکمل انتظام کر لیا۔ مگر یہود کے اس بد ارادے سے اللہ تعالےٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو اطلاع دے دی اور آپ وہاں سے اٹھ کر تشریف لے گئے لیکن ایک مسلمان جو بدستور دیوار کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا ان کے پتھر گرانے سے شہید ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی ان مفسدانہ کارروائیوں کو دیکھ کر فرمایا کہ چونکہ یہ لوگ اپنی شرارتوں میں حد سے بڑھ گئے ہیں اس لئے اب ان کا مدینہ میں رہنا ٹھیک نہیں ہے جب ایک صحابی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام لے کر ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے

بڑے متمردانہ انداز میں جواب دیا کہ ہم مدینہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ تمہاری جو مرضی ہو کر لو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کی ایک جمعیت لے کر بنو نضیر کے خلاف میدان جنگ میں نکل آئے اور پندرہ روز تک برابر محاصرہ کئے رکھا۔ آخر انہوں نے تنگ آکر اس شرط پہ دروازے کھول دیئے کہ ہمیں اپنا ساز و سامان ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ ہم مدینہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ آپ نے ان کی اس شرط کو منظور کر لیا اور اس طرح یہ قبیلہ بھی مدینہ سے نکل گیا۔ بنو نضیر کا اخراج ربیع الاول ۴ھ میں ہوا۔

غزوہ بدر الموعد

جنگ احد میں ابو سفیان نے وعدہ کیا تھا کہ اگلے سال بدر کے مقام پر پھر ہماری تمہارے ساتھ جنگ ہو گی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈیڑھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ اگلے سال (یعنی ذوالقعدہ ۴ھ میں) بدر پر پہنچ گئے۔ مگر ابو سفیان کو مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے شادی

حضرت زینب بنت خزیمہ کی شادی حضرت عبداللہ بن جحش سے ہوئی تھی لیکن وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صلہ رحمی

کے طور پر ۳ھ میں ان سے نکاح کر لیا۔ مگر وہ جلد ہی انتقال کر گئیں حضرت زینب نہایت ہی نیک اور پارسا عورت تھیں اور صدقہ و خیرات اور غربا پروری کی وجہ سے عام طور پر ام المساکین کے نام سے مشہور تھیں۔

ولادت امام حسین رضؓ

اسی سال ماہ شعبان میں حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کے دوسرا بچہ پیدا ہوا جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسین رکھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی الحسنؑ کی طرح ان سے بھی بہت محبت کرتے تھے۔

حضرت ام سلمہ سے شادی

حضرت ام سلمہ قریش کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں ان کے خاوند حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد جو بہت بڑے شہسوار تھے، جنگ احد میں زخمی ہو کر وفات پا گئے ان کی وفات کے بعد جب حضرت ام سلمہؓ بیوہ رہ گئیں تو ان کی ذاتی نیکی اور قابلیت کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے انہیں شادی کا پیغام بھیجا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر کہ ان کا خاوند نہایت مخلص صحابی تھا۔ اور یہ بھی ایک قابل اور ہوشیار عورت ہیں ان کی دلداری کی خاطر خود نکاح کا پیغام بھیجا جو انھوں نے قبول کر لیا چنانچہ شوال ۴ھ میں ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو گیا۔

غزوہ دومۃ الجندل

ربیع الاول ۵ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر موصول ہوئی کہ دومۃ الجندل میں ڈاکوؤں کا ایک سفاک گروہ آتے جاتے مسافروں اور چھوٹے چھوٹے قافلوں پر حملہ کرکے انہیں تنگ کرتا اور ان کا مال و متاع لوٹ لیتا ہے ساتھ ہی خطرہ بھی لاحق ہوا کہ کہیں یہ لوگ مدینہ کا رخ کرکے مسلمانوں کے لئے بھی پریشانی کا باعث نہ ہوں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار صحابہ کو ساتھ لیکر پندرہ سولہ دن کی مسافت طے کرکے دومۃ الجندل کے قریب پہنچے مگر وہاں جاکر معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی آمد کی خبر پاکر وہ لوگ ادھر ادھر منتشر ہو گئے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

حضرت زینبؓ بنت جحش سے شادی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ سے کر دی تھی مگر میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکا اور زید نے زینب کو طلاق دے دی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زینب کی دلداری کے خیال سے خود ان سے شادی کر لی۔ یہ شادی ۵ھ میں ہوئی اور اسی موقعہ پر پردہ کا حکم بھی نازل ہوا۔

غزوہ بنو مصطلق اور واقعہ افک

شعبان ۵ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنو مصطلق مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑے زور شور سے تیاری کر رہا ہے۔ آپ نے فوراً صحابہ کی ایک کافی جمعیت ساتھ لی اور بڑی تیز رفتاری سے مریسیع کے مقام پر پہنچے جس کے قریب ہی بنو مصطلق کا قیام تھا تو آپ نے فوج کو ڈیرہ ڈالنے کا حکم دے دیا اور بنو مصطلق کو کہلا بھیجا کہ اگر وہ اب بھی اسلام کی عداوت سے باز آجائیں تو مسلمان لوٹ جائیں گے مگر انہوں نے سختی سے انکار کیا اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

اس غزوہ میں منافقین کی شرارت اور فتنہ پردازی کا ایک خاص واقعہ قابل ذکر ہے اور وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائے جانے کا واقعہ ہے۔ جو اس سفر سے واپسی میں پیش آیا۔

حضرت جویریہ بنت حارثہ سے شادی

غزوہ بنو مصطلق کے قیدیوں میں اس قبیلہ کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھی۔ جب قیدی تقسیم ہونے لگے تو وہ ایک انصاری صحابی

ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ ثابت نے ان کی درخواست پر کہا کہ اگر تم مجھے زر فدیہ مہیا کر دو تو میں تمہیں رہا کر دوں گا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا کہ میں قبیلہ بنو مصطلق کے سردار کی لڑکی ہوں اور زر فدیہ کی ادائیگی میں آپ سے اعانت کی طلب گار ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خیال سے کہ یہ ایک سردار کی لڑکی ہے شاید اس کے تعلق سے اس قبیلہ میں اسلام پھیل جائے، فدیہ کی رقم اپنی طرف سے ادا کر کے اس سے شادی کر لی۔ جب صحابہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ کے سردار کی لڑکی سے شادی کر لی ہے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سسرال والوں کو قید رکھنا خلاف شان نبوی سمجھا۔ چنانچہ انہوں نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو جو ایک سو گھرانوں پر مشتمل تھے یکلخت رہا کر دیا۔ جب بنو مصطلق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے اس احسان کا علم ہوا تو وہ اسلام لے آئے اور اس طرح یہ مبارک خاتون جسمانی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو گئیں۔

جنگ احزاب یا غزوہ خندق

مدینہ کے جلا وطن یہود جو خیبر کے مقام پر جمع ہو گئے تھے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے تھے۔ ان کے سرداروں نے تمام عرب کا

ورنہ کیا اور قریش مکہ اور قبائل نجد یعنی بنو غطفان اور بنو سلیم کے علاوہ بقیہ قبائل کو بھی مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ کرنے پر آمادہ کر لیا چنانچہ جنگ احد کے کوئی دو سال بعد شوال ۵ھ میں ابو سفیان کی سرکردگی میں کفار کا یہ لشکر جرار جس کی تعداد دس ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی، اپنی پوری شان و شوکت اور کر و فر سے ایک سیل عظیم کی طرح مدینہ پر امڈ آیا۔

ابھی یہ لشکر مکہ سے نکلا ہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کی اطلاع مل گئی آپ نے فوراً صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی جو ایران کی جنگیں دیکھے ہوئے تھے یہ مشورہ دیا کہ مدینہ اپنے قدرتی وسائل، گھنے درختوں، مسلسل چٹانوں اور دیواروں کی وجہ سے تین طرف سے تو محفوظ ہے چوتھی طرف ایک ایسی گہری اور لمبی خندق کھودی جائے جو ہمارے اور دشمن کے درمیان یک دم حملہ کرنے کی صورت میں ایک کامیاب روک ثابت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور صحابہ کو خندق کھودنے کا حکم دیا چنانچہ کام شروع ہوا جس میں دوسرے صحابہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک تھے کافی دنوں کی شبانہ روز محنت کے بعد یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچا۔ ابھی صحابہ اس کام سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ کفار کا عظیم الشان لشکر بھی آ پہنچا ابو سفیان نے پہلے اُحد کا رُخ کیا مگر وہاں مسلمانوں کا نام و نشان نہ پا کر مدینہ کا رُخ کیا۔ مدینہ پہنچ کر اپنے سامنے خندق کو کھدا ہوا پایا جسے دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا مگر ناچار خندق

کے دوسری طرف پڑاؤ ڈالنا پڑا۔

کفار کے لشکر کے پہنچنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صحابہ کو جن کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ تھی مختلف دستوں میں تقسیم کر کے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مدینہ کے ارد گرد ان کی ڈیوٹیاں لگا دیں۔

ابوسفیان نے اپنے ساتھ مدینہ کے یہودی قبیلہ بنو قریظہ کو بھی ملانے کی کوشش کی جو ابھی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کسی کھلم کھلا سازش میں شریک نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے رات کے وقت بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب کو بنو قریظہ کے قلعوں میں بھیجا۔ بنو قریظہ کے رئیس کعب بن اسد نے پہلے تو حیی کی بات سننے سے انکار کر دیا لیکن حیی اسے برابر سبز باغ دکھا کر اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا رہا یا آخر وہ کامیاب ہو ہی گیا اور اس نے کعب کو عہد شکنی پر آمادہ کر ہی لیا۔ قریش کے لشکر میں واپس جاتے ہوئے اس نے وعدہ کیا کہ اگر قریش اور غطفان مسلمانوں پر فتح نہ پا سکے اور انہیں شکست کھا کر واپس جانا پڑا تو وہ (حیی بن اخطب) واپس جانے کی بجائے بنو قریظہ کے قلعوں میں چلا آئے گا۔ اور اپنے آپ کو بھی اسی تقدیر سے وابستہ کر دے گا۔ جو بنو قریظہ کے لئے مقدر ہو چکی ہوگی۔

جب مسلمانوں کو بنو قریظہ کی عہد شکنی کا علم ہوا تو ان کی گھبراہٹ کی حد نہ رہی اور انہیں اس حد تک پریشانی لاحق ہوئی کہ منافقین نے کہنا شروع کر دیا۔

محمد ہمیں کسریٰ کے محلات اور قیصر کے خزانوں کا وعدہ دیتے تھے لیکن آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی رفع حاجت کے لئے بھی باہر نہیں جا سکتا۔

محاصرہ کے دوران میں مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ بوجہ تعداد کم ہونے کے دن رات کی سخت ڈیوٹی نے ان بے چاروں کو تھکاوٹ کی وجہ سے چکنا چور کر دیا تھا۔ دوسری طرف بنو قریظہ کی غداری کی وجہ سے عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے بھی اندرونی پہرہ کو مضبوط کرنا پڑا۔ اِدھر کفار کا یہ حال تھا کہ جہاں ذرا کمزوری پاتے جھٹ اکٹھے ہو کر اس پر دھاوا بول دیتے مسلمان بے چارے دوڑتے بھاگتے وہاں پہنچ جاتے اور بمشکل انہیں پسپا کرتے سا تنی دیر میں کفار دوسری جگہ پر حملہ کر دیتے اور مسلمانوں کو ان کے مقابلے کے لئے وہاں پہنچنا پڑتا۔

اس نازک موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کی دستگیری کی اور مشرکین کے ایک بہت بڑے سردار نعیم بن مسعود الاشجعی کو در پردہ اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی وہ پوشیدہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اسلام کا اعلان کر کے عرض کیا کہ اس موقعہ پر اگر مجھ سے حضور کی کوئی خدمت ہو سکے تو میں اس کی بجا آوری کے لئے ہر طرح تیار ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر تم کسی طرح قریش اور بنو قریظہ کے درمیان پھوٹ ڈلوا سکو تو یہ بہت

بڑی خدمت ہوگی"۔

نعیم نے وعدہ کرلیا اور چلا گیا۔ سب سے پہلے وہ بنو قریظہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔

"بنو قریظہ! تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں۔ اس وقت میں تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کرنے آیا ہوں اور وہ یہ کہ قریش میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ محمد اور ان کے ساتھیوں پر غلبہ حاصل کرسکیں گے۔ انہیں جلد یا بدیر ناکام ہوکر واپس جانا پڑے گا۔ تم نے اپنی بے وقوفی سے محمدؐ کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اگر قریش کو ناکام و نامراد واپس جانا پڑا تو پھر تمہاری خیر نہیں۔ اس لئے اگر قریش تم سے جنگ میں شریک ہونے کا مطالبہ کریں تو تم ان سے کہہ دینا کہ ہمیں خطرہ ہے کہ تم ہمارا ساتھ چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔ اس لئے ہم اس وقت تک تمہاری مدد نہیں کرسکتے جب تک تم اپنے چند معزز لوگ بطور یرغمال ہمارے پاس نہ بھیج دو"۔

بنو قریظہ نے نعیم بن مسعود کی اس تجویز کو بے حد پسند کیا اور اس پر کاربند ہونے کا وعدہ کرلیا۔ نعیم یہ تاکید کرکے کہ ان باتوں کا کسی کو علم نہ ہو قریش کے لشکر میں آگیا۔

وہاں آکر اس نے بتایا کہ بنو قریظہ محمدؐ سے عہد شکنی کرنے پر نادم ہیں اور یہ تجویز سوچ رہے ہیں کہ تمہارے ستر آدمی بطور یرغمال حاصل کریں۔ تم ہرگز ایسا نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے دھوکہ کرکے ان آدمیوں کو قتل کرنے کے لئے محمد کے حوالے کردیں۔

نعیم بن مسعود کی یہ تدبیر پوری طرح کارگر ہوئی۔ قریش نے بنو قریظہ کو کہلا بھیجا
ہم محمد پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تم اپنے وعدے کے بموجب ہمارا ساتھ دو۔ انہوں نے
جواباً کہلا بھیجا کہ ہمیں خطرہ ہے کہ تم ہمیں چھوڑ کر مکہ چلے جاؤ گے اور تمہارے بعد محمد
سے عہد شکنی کا بدلہ لیں گے۔ اس لئے ہم اس وقت تک تمہارے ساتھ جنگ میں شریک
نہیں ہو سکتے جب تک تم اپنے ستر آدمی بطور یرغمال ہمارے حوالے نہ کر دو۔ بنو قریظہ
کا یہ جواب جب قریش مکہ کو پہنچا تو انہوں نے جان لیا کہ نعیم بن مسعود نے ان سے جو
کہا تھا وہ سچ تھا۔ انھوں نے اپنے آدمی بطور یرغمال دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ
کہ اگر مدد کرنا ہے تو بغیر کسی شرط کے آؤ۔ بنو قریظہ کو بھی قریش کے اس جواب سے یقین
ہو گیا کہ نعیم کی بات سچ تھی اور قریش کی نیت درست نہیں ہے۔ انھوں نے ان کی مدد
کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح ایک ادنیٰ تدبیر سے فریقین کے درمیان پھوٹ پڑ گئی۔

تاہم مسلمانوں کے لئے ہنوز خطرہ برقرار تھا۔ کیوں کہ گو بنو قریظہ اور قریش کے
درمیان پھوٹ پڑ گئی تھی لیکن قریش اور قبائل عرب کا خونخوار لشکر جرار ابھی تک مدینہ
محاصرہ کئے ہوئے پڑا تھا اور بظاہر ان سے نجات کی کوئی شکل نظر نہ آتی تھی۔ بہت
غور و فکر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تدبیر نکالی کہ حملہ آور قبیلوں میں سے
بعض کو مدینہ کی پیداوار کا کچھ حصہ دے کر قریش سے علیحدہ کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ
نے ان کے دو بڑے سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کو خفیہ طور پر بلا کر
انھیں یہ پیش کش کی کہ اگر وہ قریش کا ساتھ چھوڑ دیں تو انہیں مدینہ کی پیداوار کا تہائی

حصہ دے دیا جائے گا۔ انہوں نے نصف کا مطالبہ کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ اوس اور خزرج کے سرداران سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے بھی مشورہ کر لیا جائے۔ آپ نے انہیں بلایا اور یہ معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ انہوں نے عرض کیا:۔

"یارسول اللہ! اگر آپ یہ صلح خدائی حکم کے تحت کر رہے ہیں تب تو ہمارے لئے سر تسلیم خم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ اگر اس بارے میں کوئی خدائی حکم تو نازل نہیں ہوا۔ لیکن آپ کی خواہش یہی ہے تب بھی ہمارے لئے آپ کی خوشی ہر چیز سے مقدم ہے۔ لیکن اگر آپ ہم سے محض مشورہ طلب کر رہے ہیں تب ہمارے اور ان کے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔

آپ نے فرمایا:۔

"اگر یہ خدائی حکم ہوتا تو مجھے تم سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی"

اس کے بعد عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:۔

ہمیں تمہاری شرائط منظور نہیں۔ اب تو ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہی کے ذریعہ فیصلہ ہوگا۔"

دراصل یہ ایک خدائی تدبیر تھی جس کے ذریعے اللہ تعالےٰ نے قریش اور قبائل عرب کے متحدہ محاذ کو کمزور تر کر دیا تھا۔ عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کے دل دھکڑ پکڑ کر رہے تھے کہ اگر قریش کو ان کی غداری کا علم ہوگیا تو ان کے لئے

منہ دکھانے کی جگہ نہ رہے گی۔ مسلمانوں نے بھی اس خبر کی خوب اشاعت کی جس کے نتیجے میں قریش ان قبائل سے بھی بدظن ہو گئے اور ان کی غداری پر لعنت ملامت کرنے لگے۔

ان پے در پے حوادث سے قریش کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ لشکر کفار میں سے کسی کو کسی پر اعتماد نہ رہا اور اس طرح ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ ابھی قریش اس صورت حال سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ ایک رات سخت آندھی چلی جس سے ان کے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں، چولھے الٹ گئے، ہانڈیاں گر پڑیں۔ قریش پہلے ہی اپنے حلیفوں کی پست ہمتی اور غداری پر دل شکستہ ہو رہے تھے اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے واپسی کی راہ لی اور راتوں رات میدان جنگ سے فرار ہو گئے اور صبح تک میدان بالکل صاف تھا۔

بنو قریظہ کا محاصرہ اور ان کا قتل

قریش اور قبائل عرب کا لشکر تو راتوں رات فرار ہو گیا اور اللہ تعالٰے نے اپنی خاص تدبیر کے ذریعے مسلمانوں کو اس عظیم خطرے سے نجات دلا دی لیکن بنو قریظہ کا خطرہ ابھی باقی تھا اور ان کا استیصال کئے بغیر مسلمان پوری طرح امن و چین سے نہ بیٹھ سکتے تھے۔ اس یہودی قبیلے کا جرم بنو قینقاع اور بنو نضیر سے بہت بڑھ کر تھا کیونکہ ان لوگوں نے انتہائی نازک موقع پا کر دشمن سے

سے غداری کی تھی اور ان کا ساتھ چھوڑ کر دشمن سے مل گئے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے فرار ہونے کے بعد انہیں ایک گھڑی کی مہلت دینی بھی مناسب نہ سمجھی۔ آپ ظہر کے وقت مدینہ واپس آئے اور صحابہ سے فرمایا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ کے قلعوں کے سامنے پہنچ کر ادا کی جائے۔ چنانچہ صحابہ فوراً ان قلعوں کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کا محاصرہ کر لیا جو پچیس دن تک سختی سے جاری رہا۔ جب ہر طرف سے ان کی راہ مسدود ہو گئی تو انہیں ہتھیار ڈالنے کے سوا چارہ نہ رہا۔ چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ وہ انہی شرائط پر ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار ہیں جن پر ان سے قبل بنو نضیر نے ہتھیار ڈالے تھے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے بلا شرط ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کیا جو انہیں مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ جب بنو قریظہ ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار ہو گئے تو قبیلہ اوس کے چند لوگوں نے دوستی کے اس معاہدے کا خیال کرتے ہوئے جو ہجرت نبوی سے قبل ان میں اور بنو قریظہ میں ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درخواست کی کہ ان کے ساتھ بنو قریظہ جیسا ہی سلوک کیا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی یہ درخواست تو قبول نہ فرمائی البتہ ان کی تالیف قلب کی خاطر یہ اعلان کر دیا کہ قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ کریں گے وہ آپ کو منظور ہو گا۔ سعدؓ نے فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کے مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں اور بچے قیدی بنا لئے جائیں۔ چنانچہ اسی فیصلہ کے مطابق عمل کیا

کیا گیا اس طرح سرزمین مدینہ سے یہود کا کامل استیصال ہو گیا۔

صلح حدیبیہ

ماہ شوال ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہؓ امن وامان کے ساتھ خانہ کعبہ داخل ہوئے ہیں۔ آپ نے صحابہ کو یہ خواب سنا کر انہیں مکہ چلنے کی تیاری کرنے کا حکم دیا چنانچہ آپ ماہ ذوالقعدہ ۶ھ میں چودہ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ کی خاطر مکہ کو روانہ ہو گئے۔

جب آپ مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش تو مقابلہ کے لئے آمادہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ خزاعہ کے رئیس بدیل نامی کو جو ابھی اسلام تو نہیں لایا تھا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حامیوں میں سے تھا قریش کی طرف قاصد بنا کر بھیجا کہ وہ ان سے کہہ دیں کہ مسلمان جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے بلکہ ان کا مقصد صرف بیت اللہ کا طواف اور اس کی زیارت ہے بدیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام جا کر پہنچا دیا کہ وہ لوگ نہ مانے اور کہا کہ ہم کسی حالت میں بھی مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔

بدیل کی واپسی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر فروکش ہو چکے تھے۔ بدیل کی ناکامی کو دیکھ کر آپ نے ایک اور شخص خراش بن امیہ

خزاعی کو بھیجا مگر خراش کے ساتھ انھوں نے اور بھی بُرا سلوک کیا۔اب آپ نے حضرت عثمان بن عفان کو قریش کی طرف بطور سفیر روانہ فرمایا۔قریش نے کہا "عثمان! ہم تمہیں تو طواف کی اجازت دیتے ہیں لیکن اوروں کو نہیں دے سکتے حضرت عثمان نے کہا" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر اکیلا کیسے طواف کر سکتا ہوں؟ یہ سنکر قریش سخت برہم ہوئے اور حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر لیا اور مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ قریش نے حضرت عثمان کو شہید کر ڈالا۔یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور ایک پر زور تقریر کے بعد ایک ببول کے درخت کے نیچے تمام صحابہ سے اس عہد پر بیعت لی کہ اگر قریش نے جنگ کی تو وہ لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں گے۔لیکن پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔تاریخ اسلام میں یہ بیعت بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔تاہم تھوڑی دیر کے بعد حضرت عثمان بھی واپس تشریف لے آئے۔انہیں دیکھ کر صحابہ بے حد خوش ہوئے۔

اب جب قریش کے سمجھ دار لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ مسلمان بھی لڑنے مرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں تو وہ صلح کی طرف قدرے مائل ہوئے اور قبیلہ ثقیف کے سردار عروہ کو اپنا نمائندہ بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔عروہ نے آکر کہا۔

"اے محمد! قریش کے تمام قبائل آپ کے ساتھ مقابلہ کے لئے تیار بیٹھے ہیں اور اگر انہوں نے جنگ کی اور آپ پر کوئی مصیبت پڑی تو یہ تمام لوگ جو آپ کے ساتھ اکٹھے

ہوئے ہیں گرد کی طرح اڑ جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو عروہ کا یہ کلام سنکر سخت غصہ آیا اور آپ نے اسے جواب دیا اتنے میں نماز کا وقت آگیا۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب وضو کر رہے تھے تو صحابہ کے عشق کی یہ حالت تھی کہ وہ پانی کو زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے۔ عروہ عشق کے اس عدیم المثال مظاہرے کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔ اور جب واپس مکہ میں گیا تو قریش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اے قریش! میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں مگر میں نے کسی بادشاہ کو اپنے ہمراہیوں میں اس قدر محبوب و مکرم نہیں پایا جس قدر محمدؐ کو اپنے اصحاب میں پایا ہے اس لئے میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ جو بات محمد نے تمہارے سامنے پیش کی ہے اسے قبول کر لو اور مناسب یہی ہے کہ صلح کر لو۔"

عروہ کی یہ بات سن کر قریش کے جوشیلے لوگوں کو بھی سمجھ آگئی اور وہ بھی صلح پر رضامند ہو گئے چنانچہ قریش مکہ نے سہیل بن عمرو کو اپنا نمائندہ بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جن کی طبعیت ہی صلح پسند تھی فوراً اس کی شرائط کو قبول کر لیا اور حضرت علیؑ کو بلا کر فرمایا کہ یہ صلح نامہ لکھ دو۔ صلح نامہ کی موٹی موٹی شرائط مندرجہ ذیل تھیں

(۱) مسلمان اس سال بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں۔ اگلے سال آئیں مگر تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں اور اس موقعہ پر ان کی تلواریں نیام میں رہیں۔

(۲) اگر قریش میں سے کوئی شخص بلا اجازت اپنے ولی کے مسلمانوں کے

پاس چلا جائے تو قریش کی طرف واپس کیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس آ جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا

(۳) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ جس فریق کے ساتھ چاہیں شریک معاہدہ ہو جائیں۔

(۴) صلح کی میعاد دس سال ہوگی۔

ان میں سے پہلے دو شرطیں عام مسلمانوں پر سخت ناگوار گذریں وہ یہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ شرائط دب کر مانی ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے صلح نامہ کی تکمیل کے بعد اس جگہ پر قربانیاں کرنے کا حکم دیا تو مسلمانوں کو کچھ تردد محسوس ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رنجیدہ ہو کر حضرت ام سلمہ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ اس وقت مسلمان بہت رنجیدہ ہیں آپ پہلے خود قربانی کر دیں۔ دیکھیں کس طرح صحابہ آپ کی پیروی میں قربانیاں کرتے ہیں چنانچہ آپ نے فوراً باہر آ کر قربانی کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یک دم تمام صحابہ قربانی کے لئے تیار ہو گئے اور آناً فاناً یہ کام ہو گیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں سورۃ فتح نازل ہوئی جس کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا یعنی ہم نے تمہیں کھلی کھلی فتح عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ یہ شرائط ایسی مفید ثابت ہوئیں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دن دگنی رات چوگنی ترقی ہونے لگی

واقعات بتلاتے ہیں کہ ڈیڑھ پونے دو سال کے عرصہ میں ہی جب مسلمانوں کو امن وامان نصیب ہوا اور انہوں نے نہایت اطمینان سے اپنے عقائد کی اشاعت کی تو فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کی تعداد ۱۴۰۰ آدمیوں کی جگہ دس ہزار ہوگئی۔

معاہدہ کی دوسری شرط بظاہر بہت تکلیف دہ تھی مگر واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ بھی مفید ثابت ہوئی کیونکہ جو مسلمان مکہ میں رہتے تھے ان کی تبلیغ سے اندر ہی اندر برابر اسلام پھیل رہا تھا اور قریش کی طرف اول تو کوئی مسلمان آنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اگر کوئی ارتداد اختیار کر کے آ بھی جاتا تو اس کی مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی۔

مختلف بادشاہوں کو دعوت اسلام

صلح حدیبیہ کے بعد جب مسلمانوں کو جنگ سے کسی قدر فراغت نصیب ہوئی تو علاوہ عرب میں آزادانہ تبلیغ کرنے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارد گرد کے بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط لکھے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ وہ بادشاہ جنہیں اس قسم کے خطوط لکھے گئے۔ مندرجہ ذیل ہیں۔

مقوقس شاہ مصر، قیصر روم۔ کسریٰ شاہ ایران۔ نجاشی شاہ حبشہ ان کے علاوہ عرب کے کناروں کے بعض رؤسا کو بھی خطوط لکھے گئے۔

مقوقس گو خود مسلمان نہیں ہوا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایلچی کے ساتھ بہت عزت سے پیش آیا اور کچھ تحائف بھی ارسال کیے۔

قیصر بھی بہت متاثر ہوا مگر اس نے اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اکیلے اسلام قبول کرنے سے حکومت اس کے ہاتھ سے چھن جائے پہلے اپنے درباریوں کو جمع کر کے انہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر آخر جب دیکھا کہ درباری بہت بگڑ رہے ہیں تو کہنے لگا کہ میں نے تو تمھیں آزمانے کے لئے ایسا کہا تھا۔

کسریٰ بڑا متکبر تھا جب اس نے دیکھا کہ خط کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم اور من محمد سے شروع ہوتی ہے تو وہ سخت برافروختہ ہوا کیوں کہ وہ اس بات کو ہرگز برداشت نہ کر سکتا تھا کہ اس کے نام سے پہلے بھی کسی دوسرے کا نام ہو اس نے غصہ میں آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ مبارک چاک چاک کر دیا اور سخت غضب ناک ہو کر اپنے گورنر یمن باذان نامی کو یہ حکم بھیجا کہ عرب کے مدعیٔ نبوت کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دیا جائے۔ گورنر نے بعض آدمی مدینہ میں بھیجے جنہوں نے جا کر کہا کہ ہمارے شہنشاہ کا ایسا حکم آیا ہے آپ نے انھیں دو تین روز تک مدینہ میں ٹھہرایا اور پھر فرمایا کہ اپنے گورنر سے جا کر کہہ دو کہ ہمارے خدا نے آج رات اس کے خدا کو مار دیا ہے۔ وہ حیران ہو کر باذان کے پاس آئے۔ باذان نے کہا اچھا ہم دیکھیں گے۔ اگر یہ بات ٹھیک نکلی تو یہ شخص سچا ہو گا۔ چند روز بعد ایک جہاز ایران سے آیا جس میں سے کچھ افسر نکلے اور انھوں نے گورنر کو ایک سربمہر لفافہ دیا جب اس نے لفافہ کھولا تو وہ کسریٰ کے بیٹے کا خط تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہمارا باپ ظالم تھا اس لئے ہم نے اسے قتل کر کے زمام حکومت خود سنبھالی ہے۔ تم لوگوں

سے ہمارا وفاداری کا عہد لو، نیز ہمارے باپ نے مدینہ کے ایک شخص کے
ایک ظالمانہ حکم دیا تھا اسے بھی منسوخ سمجھو"۔ بازان یہ خط پڑھتے ہی مسلمان
ہو گیا۔

نجاشی شاہ حبشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کو پڑھ کر فوراً
کی ر ابھی تک مکہ کے بہت سے مسلمان حبشہ میں موجود تھے۔ اس نے انہیں
تحائف دے کر ساتھ مدینہ بھیج دیا۔

حضرت ام حبیبہ سے شادی

یہ ابو سفیان کی لڑکی تھیں ان کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا تھا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد دونوں شرف باسلام ہوئے اور
نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ کچھ دنوں کے بعد عبید اللہ تو مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا
حضرت ام حبیبہؓ استقامت کے ساتھ اسلام پر قائم رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کو جب ان کے اس اخلاص اور استقامت کا علم ہوا تو ہمدردی کے طور پر آپ
نے ان کو نکاح کا پیغام دینے کے لئے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبشہ
پاس بھیجا۔ نجاشی نے حضرت ام حبیبہ کی منظوری کے بعد نکاح پڑھا دیا یہ نکاح
۶ ہجری میں ہوا نکاح کے بعد نجاشی نے بڑے اعزاز کے ساتھ ان کو جہاز پر
کر مدینہ روانہ کیا۔

غزوۂ خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قریش مکہ کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا تھا لیکن مدینہ میں آکر معلوم ہوا کہ یہود کے قبائل جو مدینہ سے جلا وطنی کے بعد خیبر میں مقیم ہو گئے تھے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے مکمل تیاری کر چکے ہیں پہلے آپ نے اس خبر کی تصدیق کی کہ اور اس کے بعد محرم ۷ھ میں سولہ سو صحابہ کو ساتھ لے کر خیبر کی طرف بڑھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیال تھا کہ یہود مسلمانوں کی قوت کو دیکھ کر صلح کر لیں گے مگر خیبر پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ لوگ بالکل بر سر پیکار بیٹھے ہیں چنانچہ لڑائی شروع ہو گئی پہلے تو یہود نے کھلے میدان میں مقابلہ کیا۔ لیکن جب ان کے بڑے بڑے بہادر مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تو پھر قلعہ بند ہو جانا مناسب سمجھا مسلمانوں نے قلعوں پر بھی دھاوا بول دیا۔ باقی تمام قلعے تو فتح ہو گئے صرف قموص کا قلعہ بوجہ نہایت مضبوط ہونے کے رہ گیا۔ آخر کچھ دنوں بعد حضرت علی کے ہاتھوں یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا۔

مفتوح یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ ہمیں یہاں سے بے دخل نہ کیا جائے۔ ہم نصف پیداوار مسلمانوں کے حوالے کر دیا کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی اس درخواست کو منظور کر لیا لیکن باوجود اس قدر احسان کے یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور

ایک دعوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دینے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے نبی کو محفوظ رکھا اور آپ نے لقمہ اٹھاتے ہاتھ روک لیا۔

حضرت صفیہ سے شادی

یہود کے قیدیوں میں ان کے سردار کنانہ کی بیٹی صفیہ بھی تھیں ان کا پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی۔ اس سے طلاق ہونے کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں جو یہودیوں کے مشہور قلعہ القموص کا سردار تھا۔ جب یہ قلعہ مفتوح ہوا کنانہ قلعہ ہی میں مارا گیا۔ تو اس کے تمام اہل وعیال جن میں حضرت صفیہ بھی تھیں قید ہوگئے حضرت صفیہ دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں مگر بعض صحابہ نے عرض کیا کہ آپ نے جو دحیہ کلبی کو دی ہے وہ تو یہودیوں کے سردار کی بیٹی ہے۔ ایسی حیثیت کی ایک کے پاس نہیں جانی چاہیئے بلکہ صرف آپ ہی اس کے اہل ہیں آنحضرت صلی اللہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے اس مشورہ کو قبول فرمایا اور نہ چاہا کہ دشمن کے سردار کی بیٹی اکے پاس رہے آپ نے دحیہ کلبی کو ان کے عوض میں ایک اور لونڈی دے دی کو آزاد کر کے اپنے حرم میں داخل فرمایا۔

حضرت میمونہ سے شادی

حضرت میمونہ کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا مسعود

سے دی تو آپ ابراہم بن عبدالعزیٰ کی زوجیت میں آئیں۔ ۶ھ میں ابراہم نے وفات پائی اور یہ بیوہ رہ گئیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس نے جن کی وہ سالی تھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں نکاح کی سفارش کی تو آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری بیوی تھیں ان کے بعد آپ نے پھر کسی سے نکاح نہیں کیا۔

عمرۃ القضا

صلح حدیبیہ کے معاہدہ میں مشرکین نے اس بات کو تسلیم کیا تھا کہ اگلے سال مسلمان عمرہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے جب ذوالقعدہ ۷ھ کا چاند چڑھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو عمرہ کے لئے مکہ چلنے کا حکم دیا چنانچہ دو ہزار صحابہ کے ساتھ آپ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مسلمان مکہ میں داخل ہوئے تو بہت سے مشرکین شہر سے باہر گھاٹیوں اور وادیوں میں چلے گئے تاکہ مسلمانوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھ کر ان کے دل نہ جلیں۔ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام مکہ کی مدت تین دن تھی۔

حضرت عمرو بن العاص اور حضرت خالد بن ولید کا اسلام لانا

مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے ہوئے ابھی چند ہی روز ہوئے تھے کہ مکہ

کے دو بہت بڑے بہادر عمرو بن العاص اور خالد بن ولید اسلام قبول کرنے کی غرض سے مدینہ حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اسلام لانے پر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

جنگ موتہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رؤسائے عرب کو جو تبلیغی خطوط ارسال فرمائے تھے ان میں ایک خط بُصریٰ کے حاکم شرجیل بن عمرو کے نام تھا۔ قاصد جب اس کے پاس پہنچا تو اس نے نہایت بے دردی سے اسے قتل کر دیا۔ قاصد کا قتل صاف اعلان جنگ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں حضرت زید بن حارثہ کی زیر سرکردگی تین ہزار جان نثاروں کا ایک لشکر تیار کر کے شام کی طرف روانہ کیا۔ روانگی سے قبل آپ نے فوج کو ہدایتیں دیتے ہوئے کہا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب کو امیر بنا لینا اور اگر وہ بھی شہید ہو گئے تو عبداللہ بن رواحہ کو امیر مقرر کر لینا۔

جب یہ لشکر موتہ کے مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ شرجیل ایک بھاری لشکر کے ساتھ جو تعداد میں مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ ہے مقابلہ کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر کردہ امراء یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ اس پر مسلمانوں نے آپس میں مشورہ سے حضرت خالد

ولید کو امیر مقرر کر لیا حضرت خالد نے دشمن کا اس طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ لڑائی کا رنگ بدل گیا اور وہ مسلمانوں کی جمعیت کو بحفاظت تمام دشمنوں کے رنغے سے نکال لایا حضرت خالد کے اس کارنامہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سیف اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا۔

فتح مکہ

صلح حدیبیہ کے معاہدے کی رو سے قبائل عرب کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ مشرکین مکہ اور مسلمانوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں مل جائیں۔ معاہدہ کی رو سے یہ قبائل بھی دس سال کے عرصہ میں ایک دوسرے کے خلاف جارحانہ کارروائی نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ مکہ کے قریب آباد رہنے والا ایک قبیلہ بنو خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیف بن گیا اور ان کا ایک حریف قبیلہ بنو بکر قریش مکہ کا حلیف بن گیا چونکہ ان دونوں قبیلوں میں دیرینہ عداوت چلی آرہی تھی اس لئے قریش کے حلفاء بنو بکر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلفاء بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش کا فرض تھا کہ وہ صلح حدیبیہ کی شرائط کی رو سے بنو بکر کو اس ارادے سے باز رکھتے لیکن انھوں نے الٹا ہتھیاروں وغیرہ سے ان کی مدد کی اس طرح قریباً بیس تیس آدمی قبیلہ خزاعہ کے بنو بکر کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ خزاعہ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور اپنی مظلومی کی داستان سنائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ساتھ نہایت ہمدردی

کا اظہار فرمایا اور کہا تم تسلی رکھو ہم ضرور تمہاری امداد کریں گے

دریں اثناء قریش کو بھی احساس ہو چکا تھا کہ انھوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے اچھا کام نہیں کیا۔ انہیں خدشہ پیدا ہوا کہ معاہدہ توڑنے کے نتیجے میں کہیں مسلمان مکہ پر چڑھائی نہ کر دیں چنانچہ انھوں نے مناسب سمجھا کہ قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو اس عہد شکنی کی خبر ہو ان کا ایک آدمی مدینہ جا کر صلح کی تجدید اور مدت معاہدہ میں توسیع کرا آئے۔ اس کے لئے انھوں نے ابوسفیان بن حرب کو مقرر کیا۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ بنو خزاعہ کے وفد کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو پہلے ہی تمام واقعے کی اطلاع مل چکی ہے۔

ابوسفیان مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچا اور مسجد نبوی میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے اپنے آنے کی غایت بیان کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوسفیان پر یہ بات نہ ظاہر ہونے دی کہ آپ کو قریش کی عہد شکنی کا علم ہو چکا ہے آپ نے پوچھا:۔

"کیا کوئی نئی بات پیدا ہو گئی ہے جو تم معاہدے کی تجدید اور توسیع کے لئے آئے ہو؟"

اس نے کہا:۔

"نہیں نئی بات کوئی پیدا نہیں ہوئی۔ البتہ ہم مزید اطمینان کی خاطر معاہدہ کی تجدید اور توسیع چاہتے ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم خاطر جمع رکھو ہم معاہدے پر پوری طرح کاربند رہیں گے اور ہماری جانب سے اس کی جانب سے اس کی خلاف ورزی نہ ہوگی۔"

چنانچہ وہ ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خفیہ طور پر سفر کی تیاری شروع کر دی چونکہ حضور اس مہم کو بالکل خفیہ رکھنا چاہتے تھے اس لئے حضرت ابوبکر کے سوا اور کسی کو منزل مقصود کا پتا نہیں دیا۔ صحابہ کو تیاری کا حکم دینے کے ساتھ آپ نے مدینہ کے نواحی قبائل اسلم، غفار، مزینہ، اشجع اور جہینہ وغیرہ کو پیغام بھیجا کہ وہ بھی جہاد کے لئے تیار ہو جائیں چنانچہ چند ہی دن میں دس ہزار کا عظیم الشان لشکر جمع ہو گیا جسے لے کر ۱۰ رمضان ۸ھ کو آپ مکہ کی جانب روانہ ہو گئے مدینہ سے لے کر مکہ تک تمام راستے میں آپ نے پہرے دار مقرر کر دیئے تاکہ منافقین لشکر کی خبریں قریش کو پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ جب آپ مکہ کے قریب مرالظہران مقام پر پہنچے تو حکم دیا کہ تمام میدان میں آگ روشن کر دی جائے۔ حکم کی دیر تھی کہ دس ہزار جگہ آگ یک دم شعلہ زن ہو گئی جو دیکھنے والوں کے لئے ایک ہیبت ناک منظر پیش کرتی تھیں۔

اتنے بڑے لشکر کی آمد کی خبر چھپ تو نہ سکتی تھی۔ قریش کو علم ہو ہی گیا لیکن انہیں نہ معلوم تھا کہ لشکر کی تعداد کیا ہے اور وہ کس جانب سے مکہ کی طرف چلا آ رہا ہے۔ انھوں نے مکمل اطلاعات حاصل کرنے کے لئے ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن

دستہ کو بھیجا۔ جب وہ مرالظہران پہنچے تو وہاں ہزاروں آگیں شعلہ زن دیکھیں، جنھیں دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ابوسفیان اپنے دونوں ساتھیوں سے کہنے لگا:۔

"یہ کیا ہے؟ یہاں تو بالکل میدان عرفات کا نظارہ معلوم ہوتا ہے
بدیل کہنے لگا "ہو نہ ہو یہ خزاعہ کا لشکر ہے۔"

ابوسفیان نے کہا:۔
" خزاعہ کے لوگوں کی تعداد اتنی کہاں؟ یہ تو بہت بھاری لشکر ہے۔"

اسی دوران میں لشکر کے پہرے داروں کی نظر ان پر پڑ گئی اور وہ انہیں گرفتار کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لے آئے۔ وہاں پہنچ کر ابوسفیان کو مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑا۔ چونکہ وہ قریش کا سردار تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ اسے لشکر کی شان و شوکت کا نظارہ کرایا جائے۔ یہ کام آپ نے اپنے چچا حضرت عباس کے سپرد کیا۔ وہ اسے ایک ٹیلے پر لے گئے جس کے نیچے سے اسلامی لشکر کے دستے یکے بعد دیگرے گذر رہے تھے۔ جب انصار کا دستہ گذرا اور اس کے علمبردار حضرت سعد بن عبادہ نے ابوسفیان کو دیکھا تو انھوں نے پکار کر کہا:۔

"آج لڑائی کا دن ہے آج کعبہ کی حرمت زائل ہو جائے گی

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا:۔

"سعد نے غلط کہا۔ آج کے دن اللہ تعالیٰ کعبہ کو عزت عطا فرمائے گا۔"
اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ جھنڈا حجون پر گاڑا جائے جو کعبہ کے قریب ایک پہاڑی ہے جب کوچ کا وقت آیا تو آپ نے حضرت خالد بن ولید کو زیرین مکہ سے شہر میں داخل ہونے کی ہدایت کی اور خود بالائی حصے سے داخل ہوئے۔ شہر میں داخل ہو کر آپ نے باشندوں کے لئے امن عام کا اعلان کر دیا حضور کے اس حسن سلوک کو دیکھ کر مکہ کے بیشتر باشندے اسلام لے آئے اور حضور کا مقصد پورا ہو گیا۔ بعض خونی مجرموں کے متعلق قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن جب وہ اپنے گذشتہ اعمال پر ندامت کا اظہار کر کے اسلام لے آئے تو آپ نے انہیں بھی معاف فرما دیا۔

غزوہ حنین

اس عرصے میں بیشتر قبائل عرب یا تو اسلام قبول کر چکے تھے، یا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستی کے معاہدے کر لئے تھے، البتہ مکہ کے قریب ہوازن اور ثقیف وغیرہ چند قبائل ایسے تھے جنہوں نے ابھی تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت ترک نہ کی تھی۔ جب حضور نے اچانک مکہ پر قبضہ کر لیا تو انہیں سخت طیش آیا اس لئے انہوں نے پیش قدمی کر کے خود مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ قبل اس کے کہ مسلمان مکہ میں اپنے قدم جما سکیں سامد دین اسلام باشندگان مدینہ کے دلوں میں

راسخ ہو سکے وہ مسلمانوں کی طاقت کو ختم کر دیں۔ رحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوازن اور ثقیف کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ نے بھی ان کے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس مرتبہ آپ نے اس فوج کے علاوہ جو آپ کے ہمراہ مدینہ سے آئی تھی اہل مکہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا اور بارہ ہزار کا لشکر لے کر شوال ۸ھ میں وادی حنین میں پہنچے۔ دشمن مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر وادی حنین کے دونوں جانب کمین گاہوں میں چھپ کر اسلامی لشکر کا انتظار کرنے لگے۔ جونہی مسلمان ان کے تیروں کی زد میں آئے انہوں نے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ اس اچانک اور غیر متوقع حملہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل مکہ کے دو ہزار آدمی جن میں بعض غیر مسلم بھی تھے اور اکثر ان میں سے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں لشکر اسلام کے آگے آگے جا رہے تھے۔ حواس باختہ ہو کر میدان سے بھاگ نکلے ان کی اس طرح بے تحاشا واپسی کا اثر یہ ہوا کہ جاں نثار مسلمانوں کے گھوڑے اور اونٹ بھی بدحواس ہو کر بھاگنے شروع ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی کے دائیں جانب صرف چند رفقاء کے ساتھ رہ گئے۔ آپ ایک سفید خچر پر سوار تھے اور اس پریشانی اور افراتفری کی حالت میں بڑے جوش اور جلال کے ساتھ فرماتے تھے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا اِبْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ یعنی میں نبی ہوں میں جھوٹا نہیں ہوں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

اس گھمسان کے رن میں جبکہ دشمن اپنی پوری طاقت کے ساتھ حملہ آور تھے آپ نے حضرت عباس کو جو بہت بلند آواز تھے حکم دیا کہ مسلمانوں کو آواز دو حضرت

عباس نے حکم کی تعمیل میں زور زور سے ہر قبیلہ کا نام لے لے کر آواز دینی شروع کی کہ اے انصار! خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ جب صحابہ کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو وہ واپس ہوئے۔ ان کے گھوڑے اور اونٹ خوف و ہراس کے مارے بے تحاشا بھاگے جا رہے تھے۔ انہوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن جب وہ کسی طرح نہ رکے تو تلواروں سے ان کی گردنیں اڑا دیں اور پیدل میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے جب کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے تو آپ نے انہیں لے کر دشمنوں پر پُرزور حملہ کر دیا اور انہیں بدحواس ہو کر بھاگنا پڑا۔ اتنے میں اور مسلمانوں نے بھی ہر طرف سے سمٹ کر پوری قوت سے دشمن پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ دشمنوں کو شکست ہوئی اور مسلمان مظفر و منصور ہوئے۔ اس لڑائی میں چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں۔ چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ محاصرہ طائف سے واپسی پر آپ نے یہ چھ ہزار قیدی بطور احسان رہا کر دیئے۔

محاصرہ طائف

ثقیف اور ہوازن کی شکست خوردہ فوج نے طائف جا کر پناہ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی فوج کو ہمراہ لے کر طائف روانہ ہو گئے۔ طائف کا فتح ہونا بہت ضروری تھا کیونکہ مکہ اور مدینہ کے بعد حجاز کا سب سے اہم شہر یہی تھا۔ اٹھارہ دن تک محاصرہ

جاری رہا چونکہ طائف والوں نے قلعہ میں سال بھر کا سامان رسد جمع کر رکھا تھا اس لئے اس کی فتح میں بہت دشواری پیش آرہی تھی بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق نصب کرنے کا حکم دیا۔ اور مسلمانوں نے دبابوں کے نیچے گھس کر فصیل میں سرنگ لگانی چاہی۔ لیکن اہل طائف نے پگھلا ہوا لوہا پھینک کر انہیں فصیل سے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا۔

اور کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے انگوروں اور کھجوروں کے باغات تباہ کر دیئے جائیں یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی ابھی چند ہی درخت کٹے تھے کہ اہل طائف نے رحم و کرم کی التجا کرنی شروع کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحم کھا کر مزید درخت کاٹنے سے منع کر دیا اور نوفل بن معاویہ سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ انھوں نے عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر انتظار کریں تو پکڑی جائے گی لیکن اگر چھوڑ دیں تب بھی آپ کو ضرر نہیں پہنچا ئے گی"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور مسلمانوں کو کوچ کا حکم دے دیا۔ بعض مسلمانوں نے آپ سے درخواست کی کہ ان کی ہدایت کے لئے دعا فرمائیں چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور اللہ تعالےٰ نے اہل طائف کو بہت جلد اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔

غزوہ تبوک

ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ تشریف لائے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ آپ کو اطلاع ملی کہ جنگ مُوتہ کا انتقام لینے کے لئے شاہ غسان نے ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا ہے اور ہرقل قیصر روم نے بھی اس کی امداد کے لئے چالیس ہزار کا لشکر عظیم بھیجا ہے اور اسکا ارادہ یہ ہے کہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کمزور کر دے چونکہ ابھی تک لوگ ملک کے چاروں طرف سے جوق در جوق اسلام میں شامل ہو رہے تھے اور ملک کے امن وامان اور نو مسلموں کی تربیت و تعلیم کا تاحال کوئی خاص تسلی بخش انتظام نہیں ہوا تھا اس لئے ایسے حالات میں اگر اس عیسائی حملہ کو ملک شام کی سرحد پر ہی نہ روکا جاتا تو ان کے ملک عرب میں یک لخت داخل ہونے سے تمام ملک میں بدامنی پیدا ہونے کا یقینی احتمال تھا لہٰذا آپ نے تمام قبائل کو اطلاع بھجوا دی کہ قیصر روم کے مقابلہ کے لئے جلد از جلد مدینہ پہنچو۔ جب تمام اطراف سے لشکر جمع ہو گیا تو چونکہ اتنے بڑے لشکر کے لئے زادِ راہ، سواری، سامان جنگ وغیرہ کے لئے روپیہ کی بہت زیادہ ضرورت تھی اس لئے آپ نے چندہ جمع کرنے کے لئے ایک زوردار اپیل فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا تمام مال لیکر حاضر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے آدھا مال پیش کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنا تمام تجارتی مال جسے بطور سرمایہ ساتھ لے کر آپ شام کی طرف روانہ ہونے والے تھے چندہ میں دے دیا۔ دیگر صحابہؓ نے بھی حتی المقدور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

جب ہر طرح تیاری مکمل ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رجب ۹ھ میں تیس ہزار کا لشکر لے کر شام روانہ ہو گئے اور تبوک پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے۔ تبوک ایک مقام ہے جو وادی القریٰ اور شام کے درمیان واقع ہے۔ رومیوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مسلمان اس قدر جلد ان کی سرحدوں پر پہنچ سکیں گے۔ انہوں نے جب اچانک اس لشکر کی آمد کی خبر سنی تو اس قدر ہراساں ہوئے کہ مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کر سکے حضور یہاں بیس روز تک مقیم رہے اور جب رومیوں کی جانب سے مقابلے کے کوئی آثار نہ دیکھے تو صحابہ سے مشورہ لیا کہ آیا اسلامی لشکر کو تبوک سے آگے بڑھ کر سرزمین شام میں پیش قدمی کرنی چاہیئے یا اسی مہم کو کافی سمجھ کر مدینہ واپس چلا جانا چاہیئے۔

حضرت عمر نے عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ! رومیوں کے پاس کثیر لشکر موجود ہے اور شام میں کسی مسلمان کا وجود نہیں آپ کی پیش قدمی کی وجہ سے رومیوں پر گھبراہٹ طاری ہو گئی ہے اب وہ بلا سوچے سمجھے سرزمین عرب پر حملہ نہیں کر سکتے۔ اگر ہم اس سال مدینہ واپس چلے جائیں تو مناسب ہوگا۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں ہمارے لئے آئندہ رومیوں پر پیش قدمی کرنے کی کوئی صورت نکال دے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کی رائے پر عمل کیا اور لشکر کو لے کر واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس غزوہ سے فائدہ اٹھا کر یوحنا حاکم ایلہ، اہل اذرح و جربا علاوہ اکیدر بن عبدالملک امیر دومۃ الج

سے صلح کے معاہدے کر کے انہیں جزیہ دینے پر آمادہ کر لیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہ سب قبائل عیسائی تھے اور رومی سلطنت کے ماتحت تھے۔

حج کے موقعہ پر حضرت ابو بکر صدیق کو امیر بنا کر بھیجنا

جب حج کا موسم آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تو مدینہ ہی میں رہے مگر حضرت ابو بکر صدیق کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ فرمایا اور فرمایا کہ یوم النحر کو یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آوے اور نہ کوئی شخص ننگا ہو کر طواف کرے۔ حضرت ابو بکر صدیق روانہ ہو چکے تھے کہ بعد میں آپ پر سورۃ براءت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اس لئے آپ نے حضرت علی کو بھیجا کہ یہ آیات لوگوں کو حج اکبر کے دن سنا دیں۔ حضرت علی جب ذوالحلیفہ کے مقام پر قافلہ سے جا ملے تو حضرت ابو بکر صدیق نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کس حیثیت سے آئے ہیں امیر ہو کر یا مامور ہو کر۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ میں مامور ہو کر آیا ہوں اور میرا کام صرف یوم النحر کے دن ان آیتوں کا سنانا ہے۔

جب یہ قافلہ مکہ میں پہنچا تو حضرت ابو بکر نے امیر ہونے کی حیثیت سے ارکان حج ادا کئے اور حضرت علی نے سورۃ براءت کی ابتدائی آیات سنائیں ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرک عہد شکن ثابت ہوئے ہیں اب ان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں رہا۔ انہیں صرف چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس عرصہ میں وہ اپنی بہتری کے لئے جو کچھ مناسب سمجھیں کر لیں البتہ جن مشرکین نے مسلمانوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی ان کے معاہدے کی مدت

پوری کی جائے۔

حضرت ام کلثوم کا انتقال

اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت ام کلثوم کا انتقال ہوا جنہیں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت رقیہ کی وفات کے بعد حضرت عثمان سے بیاہ دیا تھا۔

وفود کی مدینہ میں آمد

اب مسلمانوں کو سرزمین عرب میں غلبہ نصیب ہو چکا تھا اس لئے قبائل عرب جوق در جوق مدینہ آکر اسلام قبول کرنے لگے طائف ثقیف۔ بنو عبدالقیس طئی۔ کندہ یمن۔ مہرہ عمان بحرین یمامہ اور دیگر عرب قبائل کے وفود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اپنے قبیلے کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اظہار وفاداری کیا بہت ہی قلیل عرصے میں اسلام عرب کے اطراف وجوانب میں پھیل گیا اور چند قبائل کے سوا باقی تمام قبائل شرک کو ترک کر کے اسلام کی آغوش میں آ گئے۔

حجۃ الوداع

اسی دوران میں حج کا موسم آگیا اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خود حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ روایت ہے کہ اس دفعہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کا مجمع تھا۔ اس میں ایک بھی مشرک نہیں تھا۔ چند سال قبل اس میدان میں آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ کلمۃ الحق کے پہنچانے کے لئے لوگوں میں تن تنہا پھرتے تھے اور کوئی آپ کی بات کی طرف کان نہیں دھرتا تھا۔ جس مجمع میں آپ جاتے تھے لوگ آپ کو دلآزار کلمات کہہ کر واپس کر دیتے تھے جس کو نیکی کی ہدایت کرتے تھے وہ درشت الفاظ سے آپ کو خطاب کرتا تھا۔ مگر آج یہ حالت تھی کہ اتنا بڑا مجمع آپ کی غلامی کو اپنے لئے فخر محسوس کر رہا تھا۔

اس حج میں آپ نے اونٹنی پر سوار ہو کر میدانِ عرفات میں ایک مشہور خطبہ پڑھا جس کو لوگوں تک پہنچانے کا یہ انتظام تھا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کچھ آدمی مقرر کر دیئے گئے تھے جو آپ کی آواز کو دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:۔

اے لوگو! میری بات اچھی طرح سن لو کیونکہ شاید میں آئندہ سال اس جگہ پر تم سے نہ مل سکوں۔

اے لوگو! قیامت تک کے لئے تمہاری جانیں اور تمہارا مال اسی طرح حرمت والا ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں محترم ہے۔

عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی جواب دہی کرے گا۔ اچھی طرح جان لو کہ میں نے تمہیں تمہارے پروردگار کی باتیں پہنچا دی ہیں۔

جس شخص کے پاس کسی کی کوئی امانت ہو وہ اس کے مالک کو لوٹا دے
آج سے ہر قسم کا سود ختم کیا جاتا ہے تم صرف اصل رقم کے حق دار ہو تم کسی پر ظلم نہ کرو، تمہارے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا
اللہ تعالےٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سود ختم کر دیا جائے۔ عباس بن عبدالمطلب کا جو سود دوسروں کے ذمہ واجب ہے وہ ختم کیا جاتا ہے۔
یاد رکھو کہ جس قدر خون زمانہ جاہلیت کے تھے وہ سب ختم کئے جاتے ہیں اور سب سے پہلے جو خون زمانہ جاہلیت کا میں معاف کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا ہے۔
اے لوگو! اس تمہارے ملک میں شیطان اپنی پرستش کئے جانے سے ہمیشہ کے لئے ناامید ہو گیا ہے۔ البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں، جنہیں تم بڑے گناہوں میں شامل نہ کرو گے اس کی پیروی کرو گے اور وہ اس پر خوش ہو گا۔ لہٰذا تمہیں اپنے دین کی شیطان سے حفاظت لازمی ہے۔
اے لوگو! نسئی کی بدعت احرام مہینوں کو حلال کر لینا اور اس کے بدلے حلال مہینوں کو حرام کر لینا کفر ہے۔ وہ لوگ کسی مہینے کو کسی سال نفسانی غرض سے حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال جب کوئی غرض نہ ہو حرام سمجھتے ہیں تاکہ اللہ تعالےٰ نے جو مہینے حرام کئے ہیں صرف ان کی گنتی پوری کر لیں۔ اس طرح اللہ تعالےٰ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور اس کے حلال کئے ہوئے مہینے کو حرام کر لیتے ہیں۔

ابتداء میں خدا نے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا زمانہ پھر پھرا کر آج پھر اسی نقطہ پر آگیا اللہ تعالےٰ نے سال کے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں جن میں سے چار مہینے قابل احترام ہیں۔ تین تو متواتر مہینے ہیں (ذی القعدہ۔ ذی الحجہ اور محرم) اور ایک اکیلا مہینہ ہے یعنی رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔

اے لوگو! تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارا عورتوں پر حق یہ ہے کہ وہ کسی غیر مرد کو اپنے قریب نہ آنے دیں۔ یہ بات تمہارے لئے غیظ و غضب کا موجب ہوگی۔ نیز وہ بے حیائی کے ارتکاب سے مطلق کنارہ کش رہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ تعالےٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم انہیں اپنے سے جدا سلاؤ اور ایسی بدنی سزا دو جو زیادہ تکلیف دہ نہ ہو۔ پھر اگر وہ ان باتوں سے باز آجائیں تو عام دستور کے مطابق ان کے کھانے پینے کا خیال رکھو۔ عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے۔ ہو وہ تمہاری مددگار ہیں اور اپنے واسطے کچھ اختیار نہیں رکھتیں تم نے اللہ کی اس امانت کو اپنی تحویل میں لیا ہے اور اللہ تعالےٰ کے مقرر کردہ کلمات (ایجاب و قبول) ادا کرنے کے ساتھ انہیں خود پر حلال کیا ہے

اے لوگو! میری باتیں گوش ہوش سے سنو کیونکہ میں نے خدائی پیغام تم تک پہنچا دیا ہے میں تم میں وہ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہیں کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت۔

اے لوگو! میری باتیں خوب غور سے سنو دیکھو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا

بھائی ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی دلی رضامندی کے بغیر اس کی کوئی چیز لے۔ پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔

اے اللہ! تو سن رہا ہے کہ میں نے تیرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ ختم کر چکے تو فرمایا ”کیا میں نے خدا کا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا؟ ہر طرف سے آواز آئی ”یقیناً“ آپ نے فرمایا ”اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

خطبہ ختم کرنے کے بعد آپ اونٹنی سے اترے اور ظہر و عصر کی نمازیں ادا فرمائیں۔ اس کے بعد پھر سوار ہوگئے اور مقام صخرات میں جا کر اترے وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ آیت نازل ہوئی جسے آپ نے اسی وقت لوگوں کو سنا دیا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا)

جب حضرت ابوبکر صدیق نے یہ آیت سنی تو آپ رو پڑے کیونکہ آپ نے مومنانہ فراست سے سمجھ لیا تھا کہ اب جبکہ رسالت اپنا فرض ادا کر چکی ہے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی نزدیک ہے۔

لشکر اسامہ کی تیاری

جنگ موتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت زید بن حارثہ رومیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ ان کا انتقام لینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بیٹے اسامہؓ بن زید کو مامور فرمایا اور حجۃ الوداع سے واپس تشریف لانے کے بعد آپ نے انہیں اسلامی لشکر کا سپہ سالار بنا کر حکم دیا کہ وہ اُبنی جائیں (جہاں ان کے والد کو شہید کیا گیا تھا) اور رومی علاقے کو تاخت وتاراج کر کے اپنے والد کا انتقام لیں۔ آپ نے انہیں یہ ہدایت بھی کی کہ وہ اتنی تیزی سے سفر کریں کہ دشمن کو ان کے پہنچنے کی اطلاع اسی وقت مل سکے جب وہ ان کے عین سامنے پہنچ جائیں اگر اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی سے نوازے تو وہ اس علاقے میں بہت تھوڑی مدت قیام کریں۔

اسامہ اس وقت بالکل نوجوان تھے اور ان کی عمر سترہ سال سے متجاوز نہ تھی لیکن ان کے لشکر میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے جلیل القدر اور سن رسیدہ صحابہ شامل تھے۔ اسامہ کو لشکر کا سپہ سالار بنانے سے جہاں ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مقصد تھا کہ نوجوانوں کو بھی قیادت کی ٹریننگ دی جائے وہاں دوسری طرف آپ مسلمانوں کو حقیقی اطاعت اور فرمانبرداری کا سبق سکھانا اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ انسان کی قدر و منزلت کے لئے سن و

سال کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔

بعض لوگوں کو اسامہؓ کی قیادت بہت ناگوار گذری اور انہوں نے اعتراض کیا کہ ایک نوجوان کو بڑے بڑے لوگوں پر حاکم بنایا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ کو سخت غصہ آیا اور مسجد میں آ کر ایک پر جلال خطبہ ارشاد فرمایا جس میں کہا:۔

اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے بعض نے اسامہ کی امارت پر اعتراض کیا ہے۔ تم نے اسامہؓ کی امارت پر ہی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس سے قبل اس کے باپ کی امارت پر بھی معترض ہو چکے ہو۔ حالانکہ خدا کی قسم! زید بھی امارت کے لائق تھا اور اب اس کا بیٹا بھی امارت کے ہر طرح لائق ہے۔ زید بن حارثہ مجھے تم سب لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اسی طرح اسامہؓ بھی بہترین انسان ہے۔ تمہیں بہر حال اس کی اطاعت فرمانبرداری کرنی ہوگی۔

گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ لشکر اپنی زندگی ہی میں تیار کرایا تھا لیکن ابھی یہ شام روانہ ہوا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہو گئی اور اسے مجبوراً کچھ عرصے کے لئے رک جانا پڑا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی خلافت کے ایام میں اسے روانہ کیا۔

مرض الموت اور وفات

ایک رات حضور کے سر میں درد شروع ہوا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ آپ

ایک صحابی کے ساتھ جنت البقیع تشریف لے گئے اور مدفونین کے لئے دعائے مغفرت مانگ کر واپس آ گئے۔ اگلے دن حضور کے درد میں شدت پیدا ہو گئی۔ کچھ دیر بعد سکون پیدا ہوا تو عادت کے موافق تمام بیویوں کے پاس چکر لگانے کا ارادہ کیا لیکن مرض آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا۔ یہ دیکھ کر آپ نے تمام بیویوں کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ مجھ میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں ہے مجھے عائشہ کے حجرے میں رہنے کی اجازت دے دی جائے تمام بیویوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ مرض کے ابتدائی دنوں میں آپ نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں بدستور تشریف لاتے تھے لیکن کوئی تقریر وغیرہ نہ کرتے تھے ایک دن نماز پڑھانے کے بعد بیٹھ گئے اور فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس آخرت میں جو کچھ ہے اسے قبول کرے، لیکن اس نے اپنے رب کی ملاقات ہی کو پسند کیا۔"

یہ سنکر دوسرے لوگ تو خاموش رہے لیکن حضرت ابوبکر صدیق جنہیں معلوم ہو گیا تھا کہ حضور اپنی وفات کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس قدر رقت طاری ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو روک نہ سکے اور روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اسی حالت میں انھوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! ہماری جانیں اور ہماری اولاد آپ پر نثار ہونے کے لئے تیار ہے ۔۔۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کی فضیلت کو دیکھ کر فرمایا:۔

• سب سے زیادہ ہیں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں وہ ابوبکر ہیں اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے خلیل بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے" ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ابوبکر کے دریچے کے سوا مسجد کے باقی سب دریچے بند کر دیئے جائیں۔ تقریر ختم کر کے آپ حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ لیکن جو کوفت آپ کو اٹھانی پڑی تھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ بیماری کی شدت میں اضافہ ہو جاتا۔ اگلے روز بھی آپ نے مسجد میں جا کر نماز پڑھانے کا ارادہ کیا لیکن شدت علالت کے باعث آپ باہر تشریف نہ لے جا سکے اور فرمایا ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ میری جگہ نماز پڑھا دیں" حضرت عائشہؓ نے کوشش کی کہ حضور حضرت ابوبکرؓ کی جگہ حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیں۔ لیکن حضور نے قبول نہ فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ ہی کو نماز پڑھانے کا ارشاد فرمایا۔

مرض میں روز بروز شدت پیدا ہوتی گئی۔ بخار تیز ہوتا گیا۔ آپ کے چہرے پر کپڑا پڑا ہوا تھا جب بیویاں اور دوسرے تیماردار اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھتے تو بخار کی گرمی انہیں اس کپڑے پر محسوس ہوتی۔ بخار کی شدت کے باعث ٹھنڈے پانی کا لگن آپ کے قریب رکھ دیا گیا تھا۔ آپ بار بار اپنا ہاتھ اس میں ڈالتے اور پھر اسے چہرے پر ملتے۔ اسی اثناء میں آپ کو غشی کے دورے پڑنے شروع ہو گئے۔ جب غشی سے

افاقہ ہوتا تو چہرے پر شدید کرب کے آثار نظر آتے ایک دن جب درد و کرب میں بہت زیادتی تھی تو حضرت فاطمہ نے بے چین ہو کر کہا "ہائے میرے باپ کی تکلیف" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "آج کے بعد تمہارے والد کو کبھی تکلیف نہ ہو گی"

ایک رات طبیعت میں بہت حد تک سکون پیدا ہو گیا۔ بخار بھی اتر گیا اور اس حد تک طبیعت بحال ہو گئی کہ آپ فجر کی نماز کے وقت حضرت علی اور فضل بن عباس کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے جب لوگوں نے حضور کو تشریف لاتے دیکھا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور وہ راستہ دینے کے لئے ادھر ادھر کھسکنے لگے۔ لیکن آپ نے انہیں اشارہ کیا کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہیں۔ حضرت ابوبکر نے بھی اپنی جگہ سے ہٹ کر پچھلی صف میں آنے کا ارادہ کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں نماز پڑھاتے رہنے کا ارشاد فرمایا اور خود ان کے برابر میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آپ نے ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا اور حجرے میں واپس تشریف لے گئے۔

لیکن یہ محض ایک سنبھالا تھا۔ حجرے میں واپس جاتے ہی حضور کی حالت لحظہ بلحظہ بگڑنے لگی اور تھوڑی دیر میں آپ بَلِ الرَّفِيقِ الْأَعْلَىٰ بَلِ الرَّفِيقِ الْأَعْلَىٰ (اپنے بلند و بالا رب کے پاس جانا چاہتا ہوں) کہتے ہوئے اس جہان فانی سے راہ گزار عالم جاودانی ہوئے۔

جب مسلمانوں کو اچانک اپنے محبوب رسول کی وفات کی اطلاع ملی تو وہ حیران

دشششدر رہ گئے۔ کیوں کہ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے مسجد میں آپ کی زیارت کر چکے تھے اور آپ کی تقریر سے لطف اندوز ہو چکے تھے۔ وہ یہ باور ہی نہ کر سکتے تھے کہ ان کا آقا اتنی جلدی ان سے رخصت ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ کی حالت تو اتنی غیر ہوئی کہ وہ تلوار لے کر مسجد میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اسی اثناء میں حضرت ابو بکر صدیق کو بھی اس جاں گداز حادثہ کی اطلاع مل گئی۔ وہ فوراً آئے۔ مسجد نبوی میں حضرت عمرؓ تلوار کھینچے ہوئے کھڑے تھے انہوں نے ان کی طرف التفات نہ کیا۔ بلکہ سیدھے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے پر سے کپڑا اٹھایا۔ پیشانی کو چوما اور باہر مسجد میں آکر ایک تقریر کی جس میں فرمایا۔

"اے لوگو! جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ حضور تو فوت ہو گئے لیکن جو شخص اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔"

یہ کہہ کر قرآن کریم کی آیت تلاوت کی: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ

(محمد صرف اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ مر جائیں

یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو شخص ایڑیوں کے بل پھر جائے گا۔ وہ اللہ تعالےٰ کو ذرا سا ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اور عنقریب اللہ تعالےٰ شکر گزار بندوں کو بدلہ دے گا

یہ آیت سن کر لوگوں کے دماغوں پر پڑے ہوئے پردے ہٹ گئے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کا یقین ہو گیا حضرت عمرؓ پر تو اتنا اثر ہوا کہ ان کی ٹانگیں ان کا بوجھ نہ سہار سکیں۔ اور وہ بے سدھ ہو کر زمین پر گر پڑے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد انصار نے سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہو کر حضرت سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانا چاہا لیکن حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے اچانک وہاں پہنچ جانے سے یہ ارادہ شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکا اور حضرت ابوبکر صدیق کو متفقہ طور پر خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تدفین وفات سے دو روز بعد ۱۴ ربیع الاول سلہ ھ کو عمل میں لائی گئی اور آپ حضرت عائشہ کے حجرے میں اسی جگہ دفن ہوئے جہاں آپ نے وفات پائی تھی۔

سیّد العرب

تالیف

عمر ابو النّصر

ترجمہ

شیخ محمدّ احمد پانی پتی

ناشر
مقبول اکیڈمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور